

cat by
Shor

اتحاد کلیات نظر الکریم آبادی

معہ مقدمہ

۲۹۵۵

مولفہ

جناب حافظ سید جلال الدین احمد جعفری زینبی

شائع کردہ

جعفری برادر س

مطبوعہ انوار احمدی پریس الہ آباد

شیخ غلام محمد رائیہ مدرسہ تاجران کتب قیمت ۷۵

پتہ بازار ایدہ اکل سریشہ

فہرست مضامین انتخاب کلیات نظم

34867
12-1-61

112

صفحہ	عنوان مضامین	صفحہ	عنوان مضامین
۱۰۱	کوڑی ..	۱	مقدمہ ..
۱۰۳	منطقی ..	۱	حالات نظیر اکبر آبادی ..
۱۰۸	اکبر آباد ..	۷	علمی استعداد ..
۱۱۰	آگرہ کی گکڑی ..	۸	شادی - عادات و اطوار ..
۱۱۱	کورا برتن ..	۱۰	نظیر کی شاعری کا زمانہ ..
۱۱۲	ترپور ..	۲۱	نظیر کی شاعری پر تبصرہ ..
۱۱۵	تل کے لٹو ..	۳۶	نظیر کا تخیل ..
۱۱۶	کنکوا اور پینگ ..	۸۹	کلیات حصہ اول
۱۱۸	برسات ..	۸۹	خدا کی نعمتیں ..
۱۱۹	طفلی ..	۹۱	آدمی ..
۱۲۱	طفلی ..	۹۳	پیٹ ..
۱۲۲	شب برات ..	۹۴	آٹا وال ..
۱۲۴	دیوال ..	۹۸	آٹا وال ..
۱۲۶	اڑوھے کا بچہ ..	۹۹	روٹی ..
۱۲۸	ریچھ کا بچہ ..		

ALLAMA IQBAL LIBRARY
34867

صفحہ	عنوان مضامین	صفحہ	عنوان مضامین
۱۶۹	استغنا	۱۳۰	گھری کا بچہ
۱۶۲	غیبہ	۱۳۲	بلیلوں کی لطافتی
۱۶۴	زر	۱۳۴	پودے اور ارے کی لطافتی
۱۶۸	فقیروں کی صدا	۱۳۶	گر جگ
۱۸۰	افلاس	۱۳۹	دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے
۱۸۲	خوشامد	حصہ دوم	
۱۸۶	بھوٹا		
۱۸۸	چپاتی	۱۴۵	عبادت اور خدا پرستی
(۱۹۱)	جاڑا	۱۴۶	خدا دیئے والا ہے
(۱۹۲)	برسات کی بہاریں	۱۴۹	گلدستہ قدرت
۱۹۶	کبوتر بازی	۱۵۲	دنیا
۱۹۸	گوا اور بہرن	۱۵۴	فقیر
۲۰۰	جوانی اور بڑھاپے کی لطافتی	۱۵۶	مکانات
۲۰۳	فتنا	۱۶۰	طلسم زندگی
۲۰۸	سب مرنے والے ہیں	۱۶۱	دم کا تماشا
۲۱۰	موت سے غفلت	۱۶۳	آبرو
۲۱۲	سواریاں	۱۶۵	سندرسی
۲۱۵	موت کا دھڑکا	۱۶۷	سجائوت

صفحہ	عنوان مضامین	صفحہ	عنوان مضامین
۲۲۸	عید الفطر ..	۲۱۶	حمد الہی ..
۲۲۸	عید گاہ اکبر آباد ..	۲۱۶	کل عالم تیری یاد کرے ..
۶۰	شہر آشوب ..	۲۲۱	معرفت الہی ..
۱۵۵	من موحی ..	۲۲۳	محمد دوست ..
۲۵۸	فقر کی شان ..	۲۲۵	مطلوب حقیقی کی جستجو ..
۲۵۹	فقروں کی صدا ..	۲۲۶	رضا ..
۲۶۳	دنیا ..	۲۲۸	توکل ..
۲۶۵	مکاند اہل دنیا ..	۲۳۱	ترک و تجرید ..
۲۶۶	خدمت دنیا ..	۲۳۲	خود شناسی ..
۲۶۹	ہنس ..	۲۳۶	بے خبری کا عالم ..
۲۷۲	بنجارہ ..	۲۳۸	رمال و نجومی ..
۲۷۴	موت ..	۲۴۲	موازنہ زور و کمزوری ..
۲۷۸	فنا ..	۲۵۲	روپیہ کا روپ ..
۲۷۹	فنا کا راز ..	۲۴۴	پیسہ ..
۲۸۳	انجام ..	۲۴۶	تاج گنج کار و ضہ ..
۲۸۵	آخر خاک ..		

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میر ولی محمد نظیر اکبر آبادی

اس شاعر بے نظیر کا نام ولی محمد اور تخلص نظیر ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفہ مؤلف تذکرہ گلشن بے غار نے غلطی سے اُسے شیخ لکھا ہے مگر اُس کے شاگرد حکیم میر قطب الدین باطن نے تذکرہ گلستان بے خزاں میں اس غلطی کا ذکر کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ سید تھا۔ اس کے والد میر محمد فاروق اکبر آباد کے شرفا میں سے تھے۔ اور نوری دروازہ (آگرہ) میں رہا کرتے تھے۔ نظیر کی دادی نواب سلطان خاں قلعہ دار آگرہ کی بیٹی تھیں۔ نواب سلطان خاں رہنے والے تو دہلی کے تھے مگر آگرہ میں انھوں نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ نظیر کی ولادت نادر شاہ کے حملے سے تین چار سال پہلے ردشن اختر ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ کے عہد میں ہوئی۔ نادر شاہ دہلی میں ۱۱ مارچ ۱۷۳۹ء (۱۱ ذی قعدہ ۱۱۵۷ھ) کو داخل ہوا تھا۔ چونکہ تاریخ کے مصرعوں سے نظیر کا

سن وفات ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ء) ثابت ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ انتقال کے وقت اس کی عمر سو سال کے قریب تھی۔ اس لئے قیاس یہ ہے کہ اس کی ولادت ۱۱۴۶ھ (۱۷۳۲ء) یا ۱۱۴۸ھ میں ہوئی۔ اس کی تعلیم اُسی طرح کی ہوئی جیسی اُس زمانے کے شرفاء کے یہاں بچوں کی ہوا کرتی تھی۔ اُس وقت انگریزی مدرسے تو کھتے نہیں۔ حیثیت والے اپنے لڑکوں کے پڑھانے کے لئے کسی اچھے خاصے پڑھے لکھے کو تجویز کر دیتے۔ گھر میں کوئی جگہ اُسے دے دیتے وہاں وہ اُن کے لڑکوں کے ساتھ اور لڑکوں کو بھی بیٹھ کر پڑھاتا۔ لڑے ہندو بھی ہوتے اور مسلمان بھی۔ اس کی ضرورت نہ سمجھی جاتی کہ سب ایک ہی سبق پڑھیں۔ کوئی قاعدہ بغدادی پڑھتا۔ کوئی کریمیا۔ کوئی گلستاں۔ کوئی اور اونچی کتاب۔ پڑھنے پڑھانے کی یہ جگہ کتب کہی جاتی۔ یہاں فارسی کے ساتھ عربی بھی پڑھائی جاتی۔ کتابیں معین اور مخصوص تھیں جو مدتوں سے درس میں داخل کر لی گئی تھیں۔ انکے مطالب معلم اپنے اپنے طور پر معلمین کو بتاتے۔ اردو کی کوئی کتاب پڑھائی نہ جاتی۔ بہت ہوتا تو امیر خسرو کی خالق باری پڑھا کر زبانی یاد کرا دیتے۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا کہ بھاشا الفاظ کے عربی و فارسی مترادفات لڑکوں کو معلوم ہو جاتے۔ فارسی ملک پر قبضہ کئے ہوئے تھی سرکاری دفاتر فارسی میں تھے۔ علما اور فضلا جو کتابیں تصنیف کرتے وہ فارسی یا عربی میں ہوتیں۔ اردو بولی تو جاتی مگر اس زبان میں کتابیں

تصنیف نہ کی جاتیں۔ اردو بھی وہ نہیں تھی جو آج ہم بولتے ہیں اس وقت کے بہترے الفاظ اب متروک ہیں۔ فارسی کا رواج زیادہ تھا۔ لوگ خط و کتابت فارسی ہی میں کرتے تھے۔ فارسی بھی وہ نہیں تھی جو ایران میں بولی جاتی تھی۔ بلکہ ہندوستان کی ضرورت نے مجبور کیا تھا کہ اُس فارسی میں تصرف کیا جائے اور بہت سے نئے الفاظ و محاورات اُس میں شامل کر لئے جائیں۔ دفاتر میں یہ الفاظ و محاورات بہت استعمال کئے جاتے تھے۔ پروانگی (= اجازت) طرفدار (= جنبہ دار) اور افسر (= سردار) اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ ان میں سے بعض بعد کو ایرانیوں نے بھی استعمال کرنے شروع کر دیے۔ عربی میں بھی تصرف کیا گیا۔ مگر وہ تصرف اہل زبان نے پسند نہ کیا۔ بلکہ اُس کا معنی اُڑایا۔ جب مفتی امرا اللہ خاں مرحوم نے مُتَنَبِّی کے قصیدے پر قصبہ لکھا اور یہ اشعار کہے

منصف الجدل صارم الجازی ظفر اللیث محلب البازی
بل ہلال عید قربان و مثال للمحظ طتازی
تو احمد عرب مصنف نفیۃ الیمن نے لکھا کہ یہ خان اعجوبہ ہندوستان ہے۔ اس کی غرض عید قربان سے شاید عید النحر ہے۔ کیونکہ عربی میں عید قربان نہیں کہتے۔ عید النحر۔ عید الاضحیٰ یا عید الحج کہتے ہیں بکثرت میں مختلف طبقے مختلف حیثیت اور مختلف مذاق کے لڑکے ہوتے تھے جیسے آج کل کے مدارس میں ہوتے ہیں۔ اُن کے اشغال اور شوق

بھی طرح طرح کے ہوتے۔ نظیر اُن سب اشغال میں شرکت کرتا جیسا
وہ خود کہتا ہے ۵

آگے بھی بھیس ہم نے بدلے ہیں کتنی باری
زنار باندھ قشقہ کھینچا ہے ہو بھاری
جو گی بھی بن چکے ہیں منڈیل بھی سنواری
آزاد بن کے اس دم میں دید کے بھکاری
اک دم کو آگئے ہیں مُنہ مست چھپالے ہم سے
ٹھک ہنسکے اوپری رد آنکھیں لڑائے ہم سے

بانگے بھی ہوئے ہم نے اس دید کو اڑایا
شمشیر اور سپر کو اک غم سر کھڑکھڑایا
بانگ و پٹا و بلم گتکا و لٹھ پیرایا
جھمکا تمھارا اس دم ہم کو جو یاد آیا
اک دم کو آگئے ہیں مُنہ مست چھپالے ہم سے
ٹھک ہنسکے اوپری رد آنکھیں لڑائے ہم سے

پھر کتنے روز ہم نے بچہ بڑے کا پالا
اس جال میں بھی کتنے خواب کو کیچ ڈالا
پنجر گلہری تو تاشکر اشکار والا
اب دیکھنے کو تیرے یہ سوانگ کر کے لالا
اک دم کو آگئے ہیں مُنہ مست چھپالے ہم سے
ٹھک ہنسکے اوپری رد آنکھیں لڑائے ہم سے

شیشے میں مدتوں تک ہم نے پلنگ اُٹارا
کتنے پری رخوں کو جا پیرنے میں مارا
تصویریں بچپنا بھی کتنے دنوں بچارا
اب دیکھنے کو تیرے ہو کر فقیر یارا
اک دم کو آگئے ہیں مُنہ مست چھپالے ہم سے
ٹھک ہنسکے اوپری رد آنکھیں لڑائے ہم سے

کشتی میں کتنی مدت ہم نے بدن کو توڑا
سو گلبدن کے تن کو من مانتا مڑوڑا

جو ڈھب تھا اُس منہر کا کوئی نہ عم نے چھوڑا اب خو برو کا پیار سے دنیا میں دیکھ توڑا
 اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
 خاک منہ کے اوپری رو آنکھیں لڑائے ہم سے
 جوڑے کبوتروں کے کتنے دنوں اڑائے کنکریں پھنگ لڑائی مکلیں تنگ بنائے
 کھٹ والے بن ہزاروں چھپاتے ملک لگائے ہیں دید کے جو دل میں لاکھوں منہ ملتے
 اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
 خاک منہ کے اوپری رو آنکھیں لڑائے ہم سے
 پھر لعل بھی لڑائے اور گل میں بھی پالیں جنگل میں گل لگائیں اور پڑیاں پھنسا لیں
 ڈبیوں میں ڈال بھی مل بکریاں بنا لیں کیا کیا نہ ہم نے پیار سے پھر کھپکیاں بچا لیں
 اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
 خاک منہ کے اوپری رو آنکھیں لڑائے ہم سے
 خرا دی ہو کے ہم نے لٹو چکی بنا سئے اُس میں بھی کتنے لڑکے خرا دی پر چڑھائے
 پھر بچے سر مڑائے سر سے بہت لگائے بندر لک پچائے اور رچھ تک لڑائے
 اک دم کو آگئے ہیں منہ مت چھپالے ہم سے
 خاک منہ کے اوپری رو آنکھیں لڑائے ہم سے
 کدو سے یہ بھی معاوم ہوتا ہے کہ چکسی۔ چوسر۔ گنجھ اور شطرنج کا بھی شوق
 رکھتا تھا کتا ہے
 عجب شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن رات خوب اس جا
 جو بات چاہے کرے کسی کو نہ آوے برد اس کو بات اس جا

ہزاروں منصوبے دل میں باندھے بتا دے چالوں کی گتائیں جا
 نہیں ہے اک چار چوک قائم سمجھوں کی بازی بے مات اس جا
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیلے
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے
 عجب طرح کی وہ رنگیں چوڑے غرض بچپائی ہے اب بدلنے
 کوئی ہے کھٹکل کسی کا جگ بے پھرے ہیں نزدیکی خانی خانی
 چوپانسا پھینکے بنا بنا اور دل میں کتنے ہی دانوں ٹھانے
 جو چاہتا ہے اٹھارہ آویں تو اُس کے پڑتے ہیں تین کانے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیلے
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے
 عجب طرح کے ورق بنے ہیں کوئی مکدر کوئی صفا ہے
 کسی کے سر پر ہے تاج شاہی کسی کو شمشیر پر حفا ہے
 کوئی امیر اور وزیر کوئی کوئی فقیر میں دل خفا ہے
 سمجھوں کو اس کا خیال آیا یہ حق کی قدرت کا گنجا ہے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیلے
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے
 اسی زمانے میں شاعری کا شوق بھی پیدا ہوا اور نظیر شعر کہنے لگا اس کا
 پتا نہیں لگتا کہ شاعری میں کس کا شاگرد ہوا بلکہ کلام میں جو بے عتدالیاں اور خامیاں
 نظر آ رہی ہیں وہ بتا رہی ہیں کہ نظیر نے کسی کی شاگردی نہیں کی۔

سید وقار علی صاحب عروج ساکن کٹرہ حاجی حسن اگرہ نے ایک
نظم عنایت کی ہے جس میں نظیر کے حلقے۔ علمی استعداد وغیرہ کا ذکر ہے یہ نظم
نظیر کی کہی ہوئی بتائی جاتی ہے۔ مگر اس کے بعض اشعار خاص کر مطلع و
مقطع سے شبہ ہوتا ہے کہ غالباً کسی اور کی طبع زاد ہے۔ احتیاطاً وہ یہاں
نقل کی جاتی ہے۔

کہتے ہیں جس کو نظیر سنئے طاک اس کا بیاں
سُدتِ روشِ لستِ قدسا نولا ہندی نرا
ما تھے پر اکِ خال بکھا چھوٹا سائے کے طور
وضع سبک اس کی تھی ترس پہ نہ رکھتا تھا ریش
فہم نہ تھا علم سے کچھ عربی کے اسے
فر و غزل کے سوا شوق نہ تھا کچھ اسے
لکھنے کی یہ طرز تھی کچھ جو لکھے تھا کتاب
پیری میں تھی جس طرح اس کو دلِ نسر دگی
تھا وہ معلمِ غریب بُردِ دل و ترسندہ جاں
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق میاں
تھا وہ پُرا آنکھ او پر ابروؤں کے درمیاں
موجھ میں تھیں اور کانوں پر پٹے بھی تھی پندہ ساں
فارسی میں ہاں مگر جانے تھا کچھ اس آں
اپنے اسی شوق میں رہتا تھا خوش ہنر ناں
بختگی اور خامی کے اس کا تھا خفا نہ پیاں
وہی ہی تھی اُن نونوں جن نونوں ہ تھا جوں

فقہ نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر
عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آبِ ناں

علمی استعداد

نظیر کا کلام ثابت کر رہا ہے کہ اس کی علمی استعداد بہت ہی اچھی تھی
وہ فارسی بخوبی جانتا تھا۔ فارسی میں اونچی اونچی کتابوں کا درس دیتا

تھا اور نہایت اچھی فارسی لکھ بھی سکتا تھا۔ فارسی لفظ اور ترکیبیں اس کے
اشعار میں اپنے بر محل اور برجستہ ہونے کا ثبوت خود دے رہی ہیں۔ اگر
شعر میں کسی لفظ کو اس کے مترادف سے بدل دیتے ہیں تو لطف جاتا رہتا
ہے۔ سنا ہے کہ اس نے فارسی کے فن انشائیں کئی کتابیں لکھی ہیں جو
چھپی تو نہیں مگر ان کے قلمی نسخے لوگوں کے پاس ہیں۔ اس کا کلام
یہ بھی ظاہر کر رہا ہے کہ اس کے سے شخص کو جتنی عربی کی ضرورت تھی اتنی
وہ جانتا تھا۔

شادی۔ عادات و اطوار

اُس نے جوانی میں شادی نہیں کی۔ جب ادھیڑ ہوا تو شادی کی فکر ہوئی
چوں کہ رئیس زادہ تھا ایسے ویسے گھر کو خاطر میں
کیا لاتا۔ محلہ تاج گنج میں ملکوں کی گلی نے قریب چغتائی خاندان رہتا
تھا۔ محمد علی بیگ صوبہ دار کے بیٹے۔ عبدالرحمن خاں نامی آدمیوں میں
تھے۔ ان کے یہاں پیام دیا گیا اور ان کی بیٹی تھوڑا سا بیگم سے اُس کا
بیاہ ہو گیا۔ اب وہ نوری دروازہ اُٹھ آیا اور بیگم باندہ کے محل کے
پاس تھوڑی سی زمین مول لے کے اُس نے رہنے کا مکان بتا لیا
جس میں مرتے دم تک رہا۔ اس کے کلام میں جو تصوف کے مضامین
ہیں وہ مولوی احمد شاہ قادری اور شاہ غلام رسول کی صحبت کی برکت
سے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس زمانے کے مشائخ عظام میں شمار ہوتے

تھے۔ اور اُن کے سر شیمہ فیض سے تشدگان عرفاں سیراب ہوا کرتے تھے۔
 اُن سے مستفید ہونے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ کہتا ہے ۵

تہانہ اُسے اپنے دل تنگ میں پہچان ہر بان میں ہر دشت میں ہر سنگ میں پہچان
 ہر تنگ میں ہر تنگ میں ہر تنگ میں پہچان منزل میں مقامات میں ہر سنگ میں پہچان
 نت روم میں اور ہند میں اور تنگ میں پہچان ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں پہچان
 ہر غم و ابرادہ میں ہر آہنگ میں پہچان ہر دھوم میں ہر صلح میں ہر جنگ میں پہچان
 ہر آن میں ہر بات میں ہر دھنگ میں پہچان عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

اس کے علم و خلق و تواضع و انکسار کا معترف سارا زمانہ تھا۔ یہاں تک کہ
 نواب مصطفیٰ خان شکیفہ کو بھی تذکرہ گلشن بے خار میں اقرار کرنا پڑا کہ ”نظیر
 در علم و خلق و انکسار ہے نظیر روزگار است“، حالانکہ اس کی شاعری
 کی وہ مذمت کرتے ہیں۔ اور ”لکھتے ہیں کہ“ اشعار بسیار دارد کہ بہ زبان
 سوقیین جاری ست و نظر بآں ابیات در اعداد شعر انشاید بیش شمار دے۔“
 وہ نہایت با اخلاص نیک نیت اور شگفتہ دل آدمی تھا۔ اس کی صحبت
 میں ہر طرح کے لوگ ہوتے۔ بوڑھے بچے جوان بھیڑ لگائے رہتے اور یہ کہنا
 بالکل بجا ہے کہ ۵

ہمار عالم نیرنگ رکھتا تھا مران اُس کا جوانوں میں جوان بوڑھوں میں بوڑھا اور کوہ میں کوہ کا
 اُس کے حسن اخلاق کا شہرہ تھا۔ اور اس کی نیک نیتی زبان زد تھی۔
 اُس کی بابت شاہ قدرت اللہ اپنے تذکرہ شعرا میں لکھتے ہیں کہ شاعر
 ہست و یومینہ مشوق کہ بالفعل و در آل نواح علم استادی فی اقرا و دوزد

صحبت و اخلاص با ہر کس می بازو۔ بسیار سلیم الطبع و خوش اختلاط و نہایت
 نیک نیت و مستحکم ارتباط شنیدہ می شود و وہ نہایت فیاض اور سخی تھا۔
 دروازے پر سے سائل کو خالی نہ پھیرتا۔ پاس کچھ نہ ہوتا تو بڑی نرمی سے
 معذرت کرتا۔ ہمسایے میں جو مستحق ہوتے ہمیشہ ان کی مدد کرتا۔ کسی سے
 ناراض نہ ہوتا تو ناخوشی کا اظہار اس طرح کرتا کہ برا نہ معلوم ہوتا۔

نظیر کی شاعری کا زمانہ

نظیر نے شاعری شیخ ظہور الدین قائم اور سراج الدین علی خاں آرزو
 کے زمانے میں شروع کی اور اُس کا انتقال ۱۲۸۵ھ میں مصحفی سے
 آٹھ برس بعد اور ناسخ سے چھ برس پہلے ہوا۔ اُس کے معاصرین میں
 امیر علی خاں فغاں۔ میر عبدالحی تاباں۔ مرزا جان جاناں مظہر میر
 غلام حسین صناحک۔ خواجہ میر درد۔ مرزا رفیع سودا۔ سید محمد میر سوز۔
 میر محمد تقی میر۔ شیخ قلندر بخش جرات۔ ظہور اللہ خاں نواب۔ مرزا محمد تقی خاں
 ترقی۔ میر غلام حسن حسن۔ سید انشاء اللہ خاں انشا۔ شیخ غلام بہدانی
 مصحفی وغیرہ تھے۔ اس کی شاعری کی ابتدا ایسے وقت میں ہوئی
 جب شاعر کا کمال پہنچا جاتا تھا کہ اپنے خیال صاف صاف زبان اور
 سیدھے سادے محاوروں میں ظاہر کر دے اور جو کچھ دل میں آئے
 اُس کی ہو ہو تصویر شعر میں کھینچ دے۔ تکلف اور تصنع سے کلام کو بچائے
 اور اصلیت اور بے ساختہ پن کو قائم رکھے۔ اسی لئے اُس زمانے میں

شعرا کے کلام میں اثر بہت ہے۔ وہ لوگ غزل زیادہ کہتے تھے۔ دیگر اصنافِ سخن کی طرف توجہ کم کرتے تھے۔ تغزل کی شان جیسی اُن کے یہاں نظر آتی ہے ویسی بعد کے شعرا کے یہاں نہیں۔ بعد گو سادگی اور سببِ اختلا کی جگہ پدیدگی اور تصنع نے لی۔ استعاروں اور تشبیہوں نے دخل پایا اور مصحفی اور ناسخ نے ایسی گتھیاں ڈالیں کہ شعر گورکھ دھندرا ہو کر رہ گیا۔ لکھنؤ نے اگر شعرا کی قدر کی تو اردو نظم پر یہ ظلم بھی کیا کہ معانی آفرینی کی کوشش میں رعایتِ لفظی اور ایہام کے ذریعے سے جو نہ کہنا چاہئے تھا وہ بھی کہوا دیا۔ اردو کے شعرا میں میر انیس نے شاعری کے معجزے دکھائے ہیں مگر اُن کا حال یہ ہے کہ رعایتِ لفظی کو چھوڑ کر سیدھی بات نہیں کہتے۔ وہ ان رعایتوں پر پردہ تو ڈالتے ہیں مگر پردہ ایسا بار بار ہوتا ہے کہ دیکھنے سمجھنے والے آنکھوں ہی آنکھوں اور دل ہی دل میں سب کچھ دیکھ سمجھ لیتے ہیں۔

نظیر کی شاعری کے ابتدائی زمانے میں شاعر کے لئے کچھ زیادہ قیدیں اور پابندیاں نہ تھیں۔ ہندی اور فارسی و عربی الفاظ کو مرکب کرنا عیب نہیں تھا۔ لڑکے و لڑکیاں۔ برائے سماجن۔ زیر جھروکا۔ رانیاں ہندوستان۔ کھجری ایام۔ غل و شور اور اس قسم کے ہزاروں مرکبات عام طور پر استعمال کئے جاتے۔ یہاں تک کہ شاہی فرامین میں بھی ان سے احتراز نہ ہوتا۔ اور یہ پُرانا رواج تھا ابوالفضل نے بھی ماہِ چیت۔ تلادانِ شاہی۔ کوکابِ نواب وغیرہ لکھا ہے۔ نظیر

کے معاصرین کے کلام میں بھی ویسی ہی الفاظ اور ترکیبیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ جیسی نظیر نے استعمال کی ہیں۔ اُن سب کا اکٹھا کر دینا کوئی آسان کام نہیں۔ چند یہ ہیں:-

دوانہ (دے دیوانہ) میان اور سخن (دے معشوق کے لئے) من (دے دل)
 دھیرے (دے آہستہ) اور بضم الف واو مجہول (دے طرف) سسے (دے سستی)
 (دے سے) بھیچک۔ بھیچک (دے حیران) تلو (دے کو) تئیں (دے کو) تاک
 تول (دے تو) لو ہو (دے ہو) ایدھر او دھر جیدھر (دے ایدھر او دھر جیدھر)
 جدھر تدھر (دے جس طرف اُس طرف) نیں (دے لئے) جیوں (دے جوں)
 یوں ووں (دے اس طرح اُس طرح) نیٹ (دے بہت) دستخط (دے دستخط)
 نت (دے ہمیشہ) ٹک (دے زرا) ایکوں (دے ایک کی کسی کی) نور (دے بہت)
 لاگنا (دے لگنا) انھوں کا (دے اُن کا) کنھوں نے (دے کسی نے کسی نے)
 بحالت جمع (دے انداز) (دے ہمیشہ) تدر (دے تب) نگر (دے بستی) دسے (دے وہ لگا)
 پتھر پتھرے (دے پتھر) واحد و جمع (دے بستر) (دے طریقہ) طور (دے انداز) ہمان
 زیادتی یا کثرت (دے مانی) (دے منی) ہلنا بفتح ہا (دے ہلنا) بکسر ہا (دے گھٹنا) پکڑنا
 کھ (دے چہرہ) رخ (دے تئیں) (دے تو) (دے توئے) نہ جانے (دے معلوم نہیں)
 اپنے بھانوں (دے اپنے نزدیک) باجنا (دے بجنا) ناتوں (دے نام) گھٹنا
 بفتح گاف (دے گھٹنا) بکسر گاف (دے باس) (دے بڑا) (دے ہجر) - نین
 انکھیاں (دے آنکھیں) اُن نے (دے اُس نے) جن نے (دے جس نے) کول
 (دے کو) اُپر (دے اوپر) جیو (دے جی) کھو (دے کبھی کسی) کچھ ساتھ (دے کچھ)

کب تک (کب تک)، بچن (بے بات)، ڈبانا (ڈبونا)، ٹرپھنا (ٹرپنا)
 ہیکا (ہے)، شتر بفتح تار (شتر بضم تار)، الینڈ نار (انڈلینا)، بھج بل
 (زور قوت)، لڑنت (لڑائی)، اکڑنت (اکڑ)، پھر کنت (پھرک)
 کھڈنت (کھڈائی)، کڑکنت (کڑک)، چھٹ (سوا)، جھکا (جلوہ)
 جاگہ (جگہ)، جات (زمانہ)، تب جائے (تب جانیں)، پرے
 (دور)، نکسنا (نکلنا)، اُپاہ (آرزو، خواہش)، اُپارنا (اُگھارنا)
 بھلے رے (واہ رے)، دُرتو (دور ہو)، بچ (بچ)، بل جانا
 (بل جانا)، بل گیا (صدقے گیا)، ہارا جیسے جاتے ہارا (والا جیسے
 جانے والا)، تیرے پر (تجھ پر)، ہر کوئی (ہر شخص)، تجھ جیسے تجھ چشم
 (تیری چشم)، تجھ جیسے مجھ دل (میرا دل)، پن (بغیر)، کیونکہ (کیونکر)
 ہشت (کلمہ جو کسی چیز کو دور کرنے یا اظہار نفرت کے لئے ہے) منہ موندنا
 (منہ بند کرنا)، اُسے اثر نہ کیا (اُس پر اثر نہ کیا)، بعد از مرنے کے (بعد
 مرنے کے)، آئے ہے (آتا ہے)، آئے ہیں (آتے ہیں)، آؤ ہو
 (آتے ہو)، پکاروں ہوں (پکارتا ہوں)، آتا ہے۔ جاتا ہے
 (آتا ہے۔ جاتا ہے)۔

کر سے پہلے اگر فعل کا اخیر حرف الف یا واو مجہول ہوتا تو یہ بھی کبھی
 بڑھا دیتے جیسے آکر۔ جا کر۔ رو کر۔ سو کر۔
 کر کو کبھی حذف کر دیتے جیسے ع آتا ہے ہر سحر اُٹھ تیری برابری کو۔
 میں کو کبھی حذف کر دیتے۔ جیسے تیرے طفیل۔ اپنے تو اعتقاد یعنی

تیرے طفیل میں۔ اپنے تو اعتقاد میں۔
 لئے کو کبھی حذت کر دیتے جیسے میں کھینچا یعنی میں نے کھینچا۔ میں
 کہا تھا۔ یعنی میں نے کہا تھا۔ نہ کوئے نظم کرتے۔
 پر کو کبھی حذت کر دیتے۔ جیسے دار کھینچا یعنی دار پر کھینچا۔
 کے کو کبھی حذت کر دیتے جیسے اُس پاس یعنی اُس کے پاس۔
 دل ساتھ یعنی دل کے ساتھ۔ دوش اُپر یعنی دوش کے اُپر۔
 فارسی جمعیں بغیر ترکیب استعمال کرتے۔ جیسے بتاں چاہتے ہیں یعنی
 بت چاہتے ہیں۔ بلبلاں صدا دیں یعنی بلبلیں صدا دیں۔ کبھی فعل مؤنث
 کی جمع یاں لگا کر بناتے جیسے نکالیاں یعنی نکالیں ڈالیاں یعنی ڈالیں وغیرہ۔
 کبھی فعل ماضی قریب و ماضی بعید کے دونوں ٹکڑوں میں علامت
 جمع لگاتے جیسے آتیاں ہیں۔ جاتیاں تھیں۔
 کبھی ہندی صفتوں کی بھی جمع بنا لیتے۔ جیسے کالی سے کالیاں۔
 بھلی سے بھلیاں۔ کڑی سے کڑیاں۔
 کبھی لفظ مؤنث کو جمع میں بغیر علامت جمع استعمال کرتے۔ جیسے دو
 چیزیں کی جگہ دو چیز دسودا، دو چیز نہ عاشق سے ہواے یا فراموش۔
 قافیوں میں راے مہلا اور راے ہندی میں فرق نہ کرتے تھے۔
 اور گورا کا قافیہ تھوڑا نظم کرتے تھے۔
 کہ کا قافیہ کے سودا نے کہا ہے (سودا)
 عاشق بھی نامراد ہیں پاس قدر کہ ہم دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

کو جو بواو معروف فارسی کا استفہامیہ لفظ ہے اور کو جو بواو مجہول
 اردو کا حرف ہے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کا قافیہ سمجھتے تھے۔
 آبرو (بواو معروف) کا قافیہ کو (بواو مجہول) نظم کرتے تھے۔
 ٹھاتھ کے قافیے گھاٹ اور بات باندھتے تھے۔

باتھ اور ساتھ کے قافیے بات اور رات شعر میں لاتے تھے۔ اپنے
 ہاتھ سے کے بجائے ہاتھ اپنے سے کبھی نظم کر دیتے۔
 جان۔ دید اور سیر کو مذکر استعمال کرتے۔

اے حرف ندا کی سے کو گرا دیتے تھے۔ اور اے دل کو بھی ادکل
 نظم کرتے۔

اکسی کو نہ رنجیدہ کر کی جگہ مست رنج کر کسی کو شعر میں کہہ جاتے۔ معشوق
 کو شراب کے ساتھ چرس بھی پلا دیتے تھے (خان آرزو)

سرے شوخ خرابا کی کیفیت نہ کچھ پوچھو بہا حسن کو دی آب اس نے جب چرس پکھینیا
 کوئی کو گئی۔ پھیر گئے کو پھیر گئے بھی کبھی کہہ جاتے۔ ذکر کرنا کی
 جگہ بات چلانا عام طور پر استعمال کرتے۔

اس قسم کے اشعار (جو ناسخ کے اجتہاد سے بعد کو مبتذل قرار پائے)
 کثرت سے معاصرین نظیر نے کہے ہیں۔

(سور) تو کتا ہے کہ بس بس چوٹ کر بند و فالایا ہے دت تیری وفا کی

۱۔ اس مصرع میں ایہام تناسب ہے۔ چرس ایک منشی چیز بھی ہے۔ اور چرے کا وہ ظرف بھی
 ہے جس سے پانی پھیلتے ہیں۔

(سوز) جنازہ دیکھتے ہی سُن ہوا دل
 (۱) سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا
 (۲) بلبل کہیں نہ جائیوز نہار دیکھنا
 (۳) یار آتا ہے ترے یار کی ایسی قیسی
 (۴) کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ
 جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا
 کہ ہے ظالم دغا کی رے دغا کی
 کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا
 اپنے ہی سن میں پھولنگی گلزار دیکھنا
 آزما تا ہے ترے پیار کی ایسی قیسی
 الحمد للہ الحمد للہ
 استغفر اللہ استغفر اللہ

مسلل اشعار کے کہنے کا رواج بہت کم تھا۔ غزل زیادہ کہی جاتی تھی۔
 بعض شعرا نے مسلل اشعار جو کہ بھی تو ان میں غزل ہی کے مضامین رکھے
 غزلوں میں قطع بھی کبھی کہا جاتا۔ مگر یہ قطع زیادہ تر دو شعروں کا ہوتا
 جو شعرا محتاط تھے وہ غزل میں قطع حتی المقدور نہ کہتے کیونکہ قطع کے اشعار
 معنوی حیثیت سے ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں اور شعر اشعار
 میں یہ مکرر ہے کہ غزل کا کوئی شعر دوسرے شعر کا محتاج ہو۔ احتیاط کرنے
 والے یہاں تک احتیاط کرتے کہ شعر کے پہلے مصرع میں کوئی لفظ ایسا نہ رکھتے
 جو دوسرے مصرع کے کسی لفظ کا محتاج ہوتا۔ اسی لئے جب ذوق مرعوم
 کا یہ شعر پڑھا گیا۔

مُنہ اٹھائے ہوئے جاتا ہے کہاں تو کہ تجھے ہے ترا نقش و تدم چشم نمائی کرتا
 نواں اب کلب حسین خاں نادر نے فرمایا کہ تجھے دوسرے مصرع کا
 حق ہے پہلے مصرع میں نہیں لانا چاہئے۔
 یہاں نظیر کے معاصرین کی چند نظائیں مسلل اشعار کی لکھی جاتی ہیں۔

تاکہ اُن کا انداز بیان معلوم ہو جائے اور امر کی پتا لگ جائے کہ ان میں
کس طرح کے مضامین ہیں۔

(۱۱)

از اشرف علی خاں فغالت سے
دیکھا کہ یہ تو چھوڑنا ممکن نہیں مجھے
ہر بات پیچ روٹھنا ہر دم میں ناخوشی
ایذا ہر ایک طرح سے دینا غرض مجھے

چلنے لگا وہ شوق ہر تپ یہ چالیاں
ہر آن دو دکھنا مجھے ہر وقت گالیاں
کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طر عین نکالیاں

(۱۲)

از مرزا محمد رفیع سودا سے

تجھ میں عجب محاش ہے سودا کی ان دولا
لے حرف دے لے حکایت دے شعر نے سخن
خاموش اپنے کلیہ احزاق میں در و شب
یا جا کے اُس گلی میں جہاں تھا ترا گزر
تسکین دل نہ اس میں بھی پائے تو بہر
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس

تو بھی تاک اس کو جگہ کے ستم گار دیکھنا
نے سیر باغ دے گل و گلزار دیکھنا
تہنا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
لے صبح تا شام کسی بار دیکھنا
پڑھنا یہ شعر گر بھی اشعار دیکھنا
پر جو خدا دکھائے صبر غا چار دیکھنا

(۱۳)

از خواجہ میر درد سے

یہی سبب شام درد کا کہنا
کون سی رات اُن ملے گا

گر صبا کو بے یار میں گزرے
دن بہت انتظار میں گزرے

(۴)

از میر محمد تقی میر در تعریف اسب نواب آصف الدولہ -
 وزیر زماں نے لیا ایک اسب
 نظر پوست سے اُس کی آتا ہے خوں
 اڑا کر اُسے بار ہا سیر کی
 کرداں اُس کی کیا تیر گامی کی شرح
 ٹاک اک کسمناوے جو را کب تو کچھ
 کرے غم ابد کا ازل سے اگر
 کہے اس کو گر چھڑے کر کہ ہاں
 کہ لیکے قدم گرد جو اٹھ چلے
 نہ پھرے تاک اس کے وہیٹھے غبار
 کہ ہے رشاک گلگون باد بہار
 کیا جلد پر اُس کی گل کو سوار
 نہ نکلا کبھی ابلق روزگار
 بہر اُس پشتمشیر سے ہو شکار
 نہیں اُس کو رانوں میں ہرگز قرار
 وہ جاں باز جو اس پر ہوئے سوار
 تو یہ باد پیا کرے یوں گزار
 نہ پھرے تاک اس کے وہیٹھے غبار

غرض اسب ہے یا چھلاوے میر
 رہیں زیر ران اُس کے ایسے ہزار

(۵)

از قلندر بخش جرأت سے

کل واقف کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
 کیا جانے کسخت نے کیا ہم پہ کیا سحر
 جرأت کے جو گھبرات کو مہمان گئے ہم
 جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

(۶)

از میر انشاء اللہ خاں انشا (صحفی پر اعتراضات) سے

سن لیجے گوش دل سے مری مشتاق غرض
 مانند بید غصہ سے مت تھر تھرایے

بلور گو درست ہو لیکن ضرور کیا
و ستور و نور و طور یہ ہیں قافے بہت
یہ تو غنڈ ہے کہ غزل آٹھ بیت کی
کیا لطف ہے کہ گردن کا نور باندھ کر
یوں خاطر شریف میں گزرا کہ نرم میں
ایسے نجس کشیف قوافی سے نظم میں
بخرے میں آپ ہی کے یہ آئی ہے شاعری
گردن کا ذکر کیا ہے ستقنور میں بھلا
اردو کی بولی ہے یہ بھلا کھائیے قسم
استاد گرچہ ٹھہرے ہیں صاحب یونہیں سہی

خواہی سخا ہی اُس کو غزل میں کھپائیے
اس میں جو چاہئے تو قصیدہ سنائیے
اور اُس میں حرف ایسے انوکھے سنائیے
مردے کی باس زندوں کو لا کر کھپائیے
کچلا ہوا شریفہ سنندل کو بنائیے
دندان ریختہ پہ پھپھوندی جمائیے
بس منہ ہی منہ میں رکھئے اسے مست مرقا
سانڈے کی طرح آپ نہ گردن ہلائیے
اس بات پر اب آپ ہی مصحف اُٹھائیے
لیکن ڈھکی ہی رکھئے بس اسکو چپائیے

(۷۷)

از شیخ غلام ہمدانی معتمدی (انتشا کے اعتراضوں کا جواب)

اے آنکہ معارض ہومری تیغ زباں سے
ہے آدمِ خاکی کا بسنا خاک کا پتلا
میں لفظ ستقنور خبر د نہیں دیکھا
کا فور سے مطلب ہے مرا اُس کی سپیدی
یہ لفظ مشدد بھی درست آیا ہے تجھ سے
جو گردن میں باندھی ہیں لاتجھ کو دکھا دوں
گردن کے تئیں چاہئے اک شکل کشیدہ

تو نے سپر عذر میں ستور کی گردن
گر نور کا سر ہووے تو ہو نور کی گردن
ایجاد ہے تیرا یہ ستقنور کی گردن
ٹھنڈی تو میں باندھی نہیں کل فور کی گردن
خم ہوتی ہے کوئی مرے بلور کی گردن
تو مجھ کو دکھا دے شب و بجور کی گردن
خم کر کے سمجھ ٹاک سر مغرور کی گردن

کھڑاگ یہ گمایا پہ ترے ہاتھ نہ آئی
سو جھانہ تجھے در نہ بناتا تو اسی دم
انصاف کیا اس کا میں اب شہ کے چلے
وہ شاہ سلیمان کہ اگر تیغ عدالت
جس سر پہ ٹپاک اپنا وہ رکھے دست توارش
اُس در کا جو سجدہ اُنھیں منظور نہ ہوتا

اے مصحفی خاش لبخن طول نہ کھچ جلے
یاں کوتہ ہے بہتر سر پر شور کی گردن

(۸)

از سعادت یار خاں گلین سے
حور وں کے عو من مجھے الہی
کب مجھ کو بہشت کی ہے خواہش
دنیا میں تو ایک ناز نہیں دے
دینا ہے جو کچھ سولا میں دے

(۹)

از شاہ قدرت اللہ قدرت سے
کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
گر میرے ہو تو کس عشرت سے کیے زندگی
صبح سے تا شام ہوتا ہے مے گلگوں کا دور
سننے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
لے گئی یکبارگی گو رِغریباں کی طرٹ

کیا ہی ملکِ روم کیا ہی سر زمینِ ہوس ہے
اس طرف آوارِ طبل او دھڑکے کوں ہے
شب ہوئی تو ماہِ رویوں سے کنارِ بوس ہے
چل دکھاؤں تو جو قیدِ آزاد کا مجھوس ہے
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین چکھاکر مجھے کہنے لگی یہ مسکند رہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

اوجھ تو اُن سے کہ جاہ و کنت دنیا سے آج

کچھ بھی اُن کے پاس غیر زحمت و افسوس سے

نظیر کی شاعری کے بارے میں قابل حضرات نے بہت کچھ لکھا ہے مگر لکھنے والوں نے یا تو تحسین و توصیف کے پل باندھے ہیں یا تنقید و تحقیر کے دریا بہائے ہیں۔ کسی نے نظیر پر ظلم کیا ہے کسی نے اردو شاعری پر ستم ڈھایا ہے۔ ضرورت یہ تھی کہ نظیر کے ساتھ انصاف اور اردو شاعری پر رحم کیا جاتا۔ اور جو سچی بات ہے وہ عاف صاف بتا دی جاتی۔ اب حقیقت بے کم و کاست ظاہر کی جاتی ہے۔

نظیر کی شاعری

نظیر بھی موصوفہ فطرت ہے کبھی مبلغ حقیقت۔ کبھی معلم اخلاق ہے کبھی مصلح عادات کبھی رند لا ابالی ہے۔ کبھی صاحب کرامات۔ کبھی واعظ منبر پرست ہے۔ کبھی عاشق دلبر پرست کبھی فقیر بے نوا ہے کبھی گدا سے تشکر۔ کبھی ملا سے مکتب ہے۔ کبھی عالم متحجر۔ کبھی زاہد خشک ہے۔ کبھی میکش تر و امن کبھی سلمان ہے۔ کبھی برہمن کبھی عابی حرمین ہے۔ کبھی شایق کعبیتیں کبھی دنیا دار ہے۔ کبھی دیندار۔ کبھی فرین و دنیا دونوں سے بیزار۔ کبھی ساحری کرتا ہے کبھی معجز نگاری۔ زمین شحر کو وہ کبھی گلزار سے بہتر بنا دیتا ہے کبھی خار خار سے بدتر کر دیتا،

وہ کبھی زہر کھلاتا ہے کبھی آبِ حیات پلاتا ہے۔ کبھی سبز باغ دکھا کر
 جنت کی سیر کراتا ہے۔ کبھی روغنِ قازمل کر دوزخ کی آبیج سے ڈراتا ہے
 ہستی کا وسیع میدان اُس کی جولانگاہ ہے۔ وہ عرصہ چاہتا ہے
 نکل جاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے پہنچ جاتا ہے۔ مگر کبھی کبھی بھٹک کر
 ایسی جگہ بھی جا نکلتا ہے جہاں اُسے جاننا نہ چاہئے۔ وہ پیروں میں پیر
 جوانوں میں جوان ہے۔ داناؤں میں دانا۔ نادانوں میں نادان ہے
 دنیا میں جو تماشا ہو رہا ہے اُسے وہ غور سے دیکھتا ہے اور اس لئے
 دیکھتا ہے کہ دوسروں کو دکھائے۔ سازِ ہستی سے جو آوازیں نکل رہی
 ہیں انھیں وہ کان لگا کر سنتا ہے۔ اور اس لئے سنتا ہے کہ دوسروں
 کو سنائے۔ اُس کی دو بین نظر ایسی تہ تک پہنچ جاتی ہے جہاں دوسرے
 کی باریک بینی بیکار ہے۔ اُس کا طائر خیال ایسی بلند پروازی کرتا ہے
 جس سے دوسرے کا مرغِ فکر مجبور اور ناچار ہے۔ بزرگانِ مذاہب اُس کے
 نزدیک سب قابلِ احترام ہیں۔ وہ کسی کی تحسین کرتا ہے کسی کی توصیف
 امیروں سے وہ اس لئے توپل رکھتا ہے کہ قوتِ لایموت کا سامان ہوتا ہے
 فقیروں سے وہ اس لئے توپل رکھتا ہے کہ مستحقِ رحم ہیں۔ وہ دنیا کی مذمت
 اس لئے نہیں کرتا کہ قابلِ قدر نہیں بلکہ اس لئے پیرا رہے کہ دنیا اُس کو
 چاروں طرف کے بعد چھوڑ دے گی۔ وہ زمانہ کے نیرنگ کو خواہش کی آنکھوں
 سے بھی دیکھتا ہے اور عوام کی نظروں سے بھی۔ اسی لئے کبھی وہ اُن کا
 ہمنوا ہے کبھی ان کا ہم آہنگ۔

شعر کی تعریف میں متطقیوں نے بات تو بہت بڑھائی ہے مگر غور کرتے ہیں تو حقیقت صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ شعر اظہار خیال کے لئے موزوں کیا ہوا کلام ہے۔ اور وہ بڑا باکمال ہے۔ جو دل میں پیدا ہونے والے خیال کو من و عن شعر میں ظاہر کر دے۔ نظیر کو اس میں یہ طوبیٰ حاصل ہے۔ اُس کے دل میں جو کچھ آتا ہے اُسے وہ اس طرح نظم کر دیتا ہے کہ دوسرے مُنہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ کوئی واہ واہ کہنے لگتا ہے کوئی آہ آہ کرنے لگتا ہے۔ اور کوئی مسکرا کر گردن جھکا لیتا ہے۔ کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایسا مجتہد ہے جس کو تقلید لازم تھی۔ مگر اُس نے تقلید کا قلاوہ توڑ کر پھینک دیا ہے۔ جس سے اُس کی چند نظمیں واپسیات اور بعض اشعار خرافات ہو گئے ہیں۔ اُس نے شاعری شروع کی تو یہ دیکھا کہ شعرا کی بلند پروازیاں ہندوستان کے رسم و رواج معاشرت کا رد ہوا اور زندگی سے دور کا بھی علاقہ نہیں رکھتیں۔ باوجود اس کے کہ شعرا کو ایران و توران و عرب جانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اور وہاں کے مناظر کبھی خواب میں بھی انھوں نے نہیں دیکھے۔ پھر بھی کوہ الیرز و تاتار و یمن و بدحشاں کے گیت گارہے ہیں۔ بلبل۔ قمری۔ کیاک۔ فاختہ کے سوا اور کسی طائر پر ان کی نظر ہی نہیں پڑتی۔ ہندوستان میں رہتے تو ہیں مگر یہاں کے موسموں نے کوئی اثر ان کے شاعرانہ شخیل پر نہیں ڈالا ہمارا وہ رنگ دکھاتے ہیں جو ان کے فرشتوں نے بھی نہ دیکھا ہوگا اس لئے اُس نے ملکی خصوصیات کی طرف توجہ کی۔ ملکی مناظر۔ ملکی طیور۔

ملکی موسم اور ملک والوں کی زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات اور
 رسم و رواج واقفیت کے ساتھ لفظ رکھے۔ اور حادثات زمانہ۔ واردات
 قلبی اور کیفیات نفسی کو اُن کی اصلی حالت میں نمایاں کیا۔ اُس نے
 اور شعر کی طرح زمین آسمان کے قلابے نہیں ملائے۔ بلکہ پیش پا افتادہ
 مضامین اس خوبی سے باندھے گویا آسمان سے تار سے اتارے ہیں۔
 معاملہ بندی۔ مضمون آفرینی۔ اور مثالیہ شاعری میں وہ صفائی شستگی
 اور دل آویزی دکھائی جس سے زمین شعر مطلع انوار ہو گئی۔ ظرافت سے
 روئے کو ہنسا دیا۔ سوز و گداز سے ہنستے کو رُلا دیا۔ وہ تصنع اور تکلف کا
 دشمن ہے۔ بے ساختگی اور برہنگی اُس کی شاعری کی جان ہے۔ رعایت
 لفظی کو چاہے اور کوئی اپنے طور پر عروسِ نظم کا زیور ہی سمجھے مگر نظیر کے
 نزدیک وہ عار اور ننگ ہے۔ وہ صنائع و بدائع کا شائق نہیں۔ کبھی
 ارادہ کر کے صناعات نہیں دکھاتا۔ اگر شعر میں بے ساختہ کوئی عنف
 پیدا ہو جائے تو ہو جائے سادگی اُس کے کلام کا زیور ہے۔ اور بے تکلفی
 اس کے اشعار کا جوہر۔

بعض لوگوں کا یہ خیال کچھ ٹھیک نہیں کہ اظہار نے جان بوجھ کر علمِ بدیع
 و بیان سے کام لیا ہے۔ کیونکہ نتیجہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ بدیع و بیان
 کلام پر مقدم ہیں حال اُنکہ ایسا نہیں جاہل ہے جاہل سے کلام میں بھی
 صنعتیں پائی جاتی ہیں۔ مگر سے بات نکلی نہیں کہ اُس میں صنعتیں آپ
 سے آپ آموجو و ہوئیں۔ نقل ہے کہ کسی معلم نے اپنے ایک شاگرد کو

علم بیان بڑی محنت سے پڑھایا۔ جب شاگرد منہ پی ہو گیا تو معلم نے اُس سے کہا کہ بازار اور گلیوں میں گھوم پھر کر لوگوں کی بات اسنے اور دیکھے کہ ان باتوں کا تعلق علم بیان سے کہاں تک ہے۔ شاگرد لوگوں کی باتیں گلیوں گلیوں سنتا پھر اُٹھ کر اُس کو اُن کا کوئی تعلق علم بیان سے معلوم نہوا۔ اُس نے واپس آکر استاد سے کہا کہ لوگوں کی باتوں کا تو کوئی تعلق علم بیان سے معلوم نہیں ہوتا۔ استاد نے اسے یہ علم پھر بالے بسم اللہ سے اتارے تمت تک پڑھایا اور پڑھا چکنے کے بعد پھر اُسے لوگوں کی باتیں سننے کو گلیوں میں بھیجا۔ اس دفعہ تھوڑا سا تعلق اس کی سمجھ میں آیا اور اس نے استاد سے جا کر کہا کہ ہاں تھوڑا سا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اس پر استاد نے کہا کہ ابھی تم علم بیان کو سمجھے نہیں پھر پڑھو۔ اُس نے تیسری دفعہ پھر شروع سے اخیر تک پڑھا۔ پڑھ لینے کے بعد اسے کیا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی کوئی بات ایسی نہیں جو علم بیان کے تحت میں ہو یہی حال نظیر کے کلام کا ہے۔ اس کے جتنے اشعار ہیں سب علم بیان کے تحت میں آتے ہیں۔ مگر اس کو کوئی نہیں ثابت کر سکتا کہ اس نے کلام میں عنعناتیں ہمیشہ جان بوجھ کر پیدا کی ہیں۔ مطبوعہ دیوان میں ایک غزل صحت و اسع الشفتین میں دکھائی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ نظیر نے کبھی کسی کی فرمائش پر اس کا التزام کیا ہو۔

یہ بھی نظیر کی شاعری سے تفصیلی بحث نہیں کی جاتی خصوصیات دکھانے کے لئے اُس کی مختلف نظموں سے کچھ ٹکڑے یہاں لکھے جاتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو جائیگا کہ مجموعی حیثیت سے اُس کی شاعری

(۱۱)

سراپا حسن سعد حسن گویا گلشن کی کیاری ہے
 بری بھی اب تو بازی حسن میں سعد حسن سے ہار ہی ہے
 کھنچی کنگھی گندھی چوٹی جمی پیٹی لگا کاہل
 کہاں ابرو نظر جادو نگہ اس کی دلاری ہے
 جبیں مہتاب آنکھیں مشوخ شیریں لب گہر دندل
 بدن مومی دہن غنچہ ادا ہنسنے کی پیاری ہے
 نیا کھواب کا لنگا جھلکتے تاش کی انگلیا
 کچیں تصویر سی جن پر لگا گوٹا کناری ہے
 ملائم پیٹ تحمل سا کلی سی نات کی صورت
 اٹھا سینہ عفا پیڑ و عجب جو بن کی ناری ہے
 بھری رانیں کمر پتلی لپکتی اور بل کھاتی
 کہوں کیا آگے اب اس کے مقام بردہ داری ہے
 بھرے جو بن پہ اتراتی جھمک انگلیا کی دکھلاتی
 کمر لنگے سے بل کھاتی لٹاک گھونگھٹ کی بھاری ہے
 کبھی اٹھے کبھی بیٹھے کبھی لیٹے کبھی ہانپے
 مصیبت سا توں یہ ہے کہ اس کا پانوں بھاری ہے
 لٹکتی چال مدھماتی چلے بچھوڑوں کو جھٹکاتی

ادامیں دل لئے جاتی عجب سہرمن ہماری ہے

(۲)

سرشک چشم سے موتی بہت پڑے گئے
غور نے تو چارے بہت ہی کھینچا سر
ہماری اُن کی رہی عمر بھر ہی صحبت
سمائے ایسے ہیں آکر کہ پھرے دل سے
وے یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے ✓
پھر اُس کو ہم بھی سدا خاک میں ملوئے گئے
اُدھر وہ ہنستے گئے ہم اُدھر سے ملوئے گئے
نہ جاگتے ہیں گئے اور بھی نہ سوئے گئے
نظیر کیا ہی مرا تھا کہ کل خوشی سے ہم
گئے تھے یار کو لینے سو آپی کھوئے گئے

(۳)

بحر ہستی میں صحبتِ احباب
بادۂ ناب کیا ہے خونِ جگر
جس کو رقص و سرود کہتے ہیں
گردشِ آسماں میں ہم کیا ہیں
عمر کہتے ہیں جس کو وہ کیا ہے
فرصتِ عمر قطرۂ شبِ ہم
حسن اور عشق جس کو کہتے ہیں
جسم کیا روح کی ہے جولا نگاہ
یوں ہے جیسے پروئے آبِ حباب
زردی رنگ ہے شبِ متاب
وہ بھی ہے ایک ہوئے خانہ خراب
پر کا ہے میا نہ گرواب
مثلِ تحریر موجِ نقشِ بر آب
وصلِ محبوب گوہرِ نایاب
خطفِ برق و قطرۂ سیاب
روح کیا اک سوارِ پا بر کاب

سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیرِ دل کی کتاب

(۴)

ستری بولے حق سرۃ ملبل بولے بسم اللہ
 کیاک ٹٹیری چاروں قل اور تیر بھی سبحان اللہ
 وادرمور پیسے کوئل کوک رہی اللہ اللہ
 فاختہ کو کو تیر ہو ہو طوطے بولیں حق اللہ
 سانجھ سویرے چڑیاں ملکر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
 چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب چوں چوں کرتی ہیں

(۵)

برسات

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
 سبزوں کی لہلہا ہٹ باغات کی بہاریں
 بوندوں کی جھماوٹ قطرات کی بہاریں
 ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
 کیا کیا چھی ہیں یار و برسات کی بہاریں

پھولوں کی تیج اوپر سوتی ہیں کتنی بن بن
 سوہے گلانی جوڑے پھولوں کے ہار ابرن
 کتنوں کا گھر ہے سونا کائے ہے ان کو آنگن
 کونے میں پڑ رہی ہے سر ٹنہ لپیٹ سوگن

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں
 بولیں بے بیٹریں فستری پکارے کو کو
 پی پی کرے پیہا بگلے پکاریں تو تو
 کیا بد بدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو
 سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیر نہ
 کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

جو خوشش ہیں وہ خوشی میں کائے ہیں رات ساری
 جو غم میں ہیں اُنھوں پر گزرتے ہیں رات بھاری
 سینوں سے لگ رہی ہیں جو ہیں پیہا کی پیاری
 چھاتی پھٹے بے اُن کی جو ہیں برہ کی ماری
 کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بے قرار
 ہر بوند مارتی ہے سینہ اوپر کستاری
 بدلی کی دیکھ صورت کستی ہیں باری باری
 بے بے نہ لی پیہا نے اب کے بھی سدھ ہماری
 کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُن کو آواز بے سُنائی
 سُننے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمدی آتی
 پی پی کی دھن کو سُن کر بیکل ہیں کستی جاتی

مست بول اسے پیسے پھٹتی ہے میری چھاتی
 کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
 کتنوں نے اپنی غم سے اب بے یہ گت بنائی
 میلے پچیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڑبائی
 نے گھر میں جھولا ڈالنے اور معنی منگائی
 پھوٹا پڑا ہے چوٹھا ٹوٹی پڑی کڑھائی
 کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سوئی اور حسالی چار پائی
 رورو اُنھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
 پردیسی نے ہماری اس کے بھی سدھ بھلائی
 اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس میں ہے چھائی
 کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محسوس اندر ہے عیش کا نظارا
 یا سب بیان ستھرا یا بانس کا اُسارا
 کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کالے سہارا
 مفاس بھی کر رہا ہے پوئے تلے گزارا
 کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سو سنی ہے
 سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے

اور جس پہ سرخ جوڑا یا اودی اڑھنی ہے
 اُس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے
 کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
 اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی
 گلزار یا گلانی یا زرد سرخ دھانی
 کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی
 جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی
 کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
 کوئی تو جھولتی ہے جھوٹے کی ڈور چھوڑے
 یا ساتھنوں میں اپنی پانوں سے پانوں جوڑے
 بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے
 بوندوں سے بھگتے ہیں لال اور گلانی جوڑے
 کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
 جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں
 ہے اُن کے سر پہ چھتری ہاتھی اوپر چڑھے ہیں
 ہم سے غریب غریب کچھ میں گر پڑے ہیں
 ہاتھوں میں جو تیاں ہیں اور پائے چڑھے ہیں
 کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں
 کتنے تو کیچڑوں کی دل دل میں پھنس رہے ہیں

کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
 کتنے اٹھتے ہیں مرم مرم کتنے اُس رہے ہیں
 وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ تبس رہے ہیں
 کیا کیا مچے ہیں یار و برسات کی بہاریں

(۶) چاندنی رات

صحنِ حمن میں واہ وا زور بجھی تھی چاندنی
 چاند ہلوریں لعلیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
 آیا تھا یارِ گلبدن بہن کے باولہ زری
 چمکے تھے تار تار میں مہ کی جھلک زری زری
 بوس و کنار و جامِ عیش و طرب ہنسِ خوشی
 اس میں کہیں سے یک بیک مرغِ سحر نے بانگ دی
 عجب ہوئی تجرِ بجا پھول کھلے ہو اعلیٰ
 یارِ اہل سے اُٹھ گیا جی کی جی ہی میں گئی
 کیا ہی فردوں سے عیش کی رات تھیں کامیا بیاں
 چھوٹے تھیں ماہتاب کی مہر دوں میں ماہتابیاں
 آگے چینی تھیں صفت بصف سے کی کئی گلابیاں
 ہم کو نشے کی مستیاں یار کو نیم خواہ بیاں
 سینوں میں اُٹھ رہا بیاں آنکھوں میں بجا بیاں

اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں
 صبح ہوئی گجر جا پھول کھلے ہوا چلی
 یاربغل سے اٹھ گیا جی کی جی ہی میں رہی
 چاندنی واہ چاندنی کرتی تھی کیا جھلک جھلک
 بلبلیں تھیں چہک رہی بارغ رہا تھا سب مرک
 جام کے لب سے ہر گھڑی نکلتی تھی جھلک جھلک
 یاربغل میں غنچے لب بوسوں کی سو لپک جھپک
 عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بیک
 ایسے مفرے میں عیش میں آہ کہیں سے یک نہ دھک
 صبح ہوئی گجر جا پھول کھلے ہوا چلی
 یاربغل سے اٹھ گیا جی کی جی ہی میں رہی

(۷) اوس

بدلی کے جو گھراٹے سے ہوتی ہے ہو بند پھر بند سی گرمی وہ غنچہ پڑتی ہے یک چند
 پھینکے کوئی گاڑی کوئی کھولے ہے کھڑا بند دم رگ کے گھلا جاتا ہے گرمی سے پرک بند
 برسات کے موسم میں نیٹ زیر ہے اوس
 سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس
 ابدھر تو پسینوں سے پڑی جھگی ہیں کھاٹیں گرمی سے اودھریل کی کچھ چوٹیاں کاٹیں
 کپڑے جو پہنے تو پسینے اسے آٹیں تنکا جو بدن رکھتے تو پھر نکھیاں چاٹیں

برسات کے موسم میں نیٹ زہرے اوس

سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

ہوتی ہے جب اوس کبھی اک رات کو اگر کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر

ایدھر تو ہوا بند اُدھر لپسو و چھڑ پانی کوئی پیوے تو ادھن سے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نیٹ زہرے اوس

سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

(۸) ہولی

ہونا چ رنگیلی پر یوں کا بیٹھے ہوں گلورنگ بھرے
کچھ کھیل تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے

دل پھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منہ جنگ بھرے
کچھ گنگر و تال جھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا

وہ سب سامان صیا ہوا دریاغ کھلا ہو خوبوں کا

ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور کھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا

اس عیش مہرے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا

کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو خوب بھوئیوں کے لڑکے

ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ ٹھٹھٹ کے کچھ بڑھ بڑھکے
 کچھ ناز جتاویں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گاویں اڑاڑ کے
 کچھ لچکے شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے
 کچھ کافرین مسکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

(۹) چاڑا

جب ماہ آگن کا ڈھلتا ہوتا دیکھ بہاریں چاڑے کی
 اور مہنس مہنس پوس سنبھلتا ہوتا دیکھ بہاریں چاڑے کی
 دن جلدی جلدی چلتا ہوتا دیکھ بہاریں چاڑے کی
 پلا آخم ٹھونک اچھلتا ہوتا دیکھ بہاریں چاڑے کی
 دل ٹھوکر مار چھاڑا ہوا اور دل سے ہووے کشتی سی
 تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو جستی ہو سب کی تبتیسی
 ہو شور پھو ہو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی سی کی
 کلے پر کلے لگ لگ کر چلتی ہو منہ میں چکی سی
 ہر دانت چنے سے دلتا ہوتا دیکھ بہاریں چاڑے کی
 ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھوں کا
 اور تن میں نیمہ شبیم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
 چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھگیا
 ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فرش کھڑا

فراش بھی پٹکھا جھلتا ہوتا دیکھ بہارین جاڑے کی

نظیر کا تحویل

نظیر کے زمانے میں شاہان مغلیہ دہلی میں حکمران تھے۔ وہ اُن کی شان و شوکت چشم و قدم، دھوم دھام اور طمطراق کو دیکھتا تھا۔ اُسے دن کی خانہ جنگیوں کا حال اور روز کی فتح و شکست کی خبریں بھی سنتا تھا۔

لہذا اُس نے نتیجہ یہ نکالا کہ

گر شاہ سر پر رکھ کر افسر ہوا تو پھر کیا
اور بھر سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا
ماہی علم مرا تب پُر زور ہوا تو پھر کیا
نوبت نشان نقارہ در پر ہوا تو پھر کیا
سب ملک سب جہاں کا سرور ہوا تو پھر کیا

یار رکھ کے فوج و لشکر کی سلطنت پناہی
بچیری دہائی اپنی لے ماہ تا ماہی
جب آن کر فنا کی سر پر پری تباہی
پھر سر رہا نہ لشکر لے تاج بادشاہی
دارا و جم سکندر اکبر ہوا تو پھر کیا

یا راج منسی ہو کر دنیا میں راج پایا
چتور گڈھ ستارا کا لہجہ بنایا
جب توپ نے اجل کی آمورچہ لگایا
سب اڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا
گڈھ کوٹ توپ گولا سنگر ہوا تو پھر کیا

کتنا تھا کوئی گھوڑا بے نامدار خاں کا
یہ پالکی یہ ہاتھی بے ذوالفقار خاں کا
آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا
خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا
جھپان میگڈ میر در پر ہوا تو پھر کیا

کہنے کو تو یہ معمولی باتیں ہیں لیکن ایک زمانہ ایسا آئے والا ہے کہ انہیں اشعار سے پُرانے رسم و رواج معاشرت اور تہذیب کا پتا لگایا جائے گا جس طرح آج کل رامائن اور مہا بھارت سے ہندوؤں کی پُرانی تہذیب کا حال معلوم ہو رہا ہے۔

نظیر اپنے کو عوام میں سے سمجھتا تھا۔ اور اس کی صحبت بھی عوام ہی سے رہتی تھی۔ اس لئے عوام کی زندگی کے ہر پہلو کو وہ خوب نمایاں کرتا ہے اس کا مصحفہ نہیں اڑاتا بلکہ افس کی حالت اس طرح بیان کرتا ہے گویا وہ مورخ ہے معمولی سے معمولی بات کو بھی نظر انداز کرنا نہیں چاہتا۔ عوام کی زبان سے اُسے خاص محبت ہے۔ وہ اسے خوب جانتا ہے کہ اگر خواص کی زبان میں عوام سے کچھ کہا جائیگا تو سمجھ میں نہ آئے گا۔ یا عوام کی حالت خواص کی زبان میں بتائی جائے گی تو اصلیت باقی نہ رہے گی۔ اس لئے وہ عوام سے انھیں کی زبان میں کہتا ہے۔

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار ہے نو ہے سو ہے وہ بھی آدمی غصت جو کھار ہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بننے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیں اور آدمی ہی انگی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھریہ خوینچا

کتاب ہے کوئی نو کوئی کتاب ہے لارے لا کس کس طرح سے بچے ہیں چہر میں بنانا
 اور مول نے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھوڑ گھوڑ اور آدمی ہی دیکھ انھیں بھاگتے ہیں دور
 چاکر غلام آدمی اور آدمی ضرور یاں تاک کہ آدمی ہی اٹھاتے ہیں جانور
 اور جس نے وہ پھر ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار ہنلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
 کلمہ بھی پڑھتے جلتے ہیں روتے ہیں زار سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کے کار بار
 اور جو کہ مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

وہ دنیا و مافیہا کو فانی تو کتاب ہے مگر یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ دنیاوی زندگی
 کو غنیمت جانو۔ یہاں کے ایک ایک لمحے کی قدر کرو۔ اور خدا نے جو زمانہ جس
 کام کے لئے مقرر کیا ہے اس میں وہ کام کر لو ورنہ پچھتاؤ گے۔ اس کی اس
 تعلیم سے دلوں میں انقباض کے بجائے انبساط پیدا ہوتا ہے، دنیا سے
 نفرت انہیں ہوتی بلکہ کام کرنے سے رغبت ہوتی ہے۔ کتاب ہے ۵

(۱)

کھول ٹک چشم تماشا یار باشہ پھر کہاں یہ شکار و صید یہ شکرے و باشہ پھر کہاں
 مال و دولت سونا روپا توے باشہ پھر کہاں دم غنیمت ہے بھلا یہ بود و باشہ پھر کہاں
 دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشا پھر کہاں
 دل الکا الفت میں پور کیے پرزادوں کی چا چاند سے مکھڑوں سے ملان ہو شوں پر کرکٹ
 بچہ خرے کچھ لوٹ خطا یہ وقت کب ملتا ہے آہ کھالے پی لے رکھو اور دے لے لالے واہ وا

دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہاں

(۳۲)

تمھارا اب ہے جتنا حسن کا عالم غنیمت ہے
 اگر ہے بیش تو بہتر و گرنہ کم غنیمت ہے
 ہمارا دیکھنا اور عاشقی کا غم غنیمت ہے
 بھروسہ کچھ نہیں دم کا عزیز و دم غنیمت ہے
 نہ یہ چہلیں نہ یہ دھو میں نہ یہ چرچے ہم ہونگے
 میاں اک دن وہ آئیگا نہ تم ہونگے نہ ہم ہونگے
 اچھل لو کو دلو ہے جب تلک یہ زور کلیوں میں
 غنیمت ہے وہی دم اب جو گزرے رنگ رلیوں میں
 ہمیں لو ساتھ اور سیریں کرو پھولوں کی کلیوں میں
 پھر لگی پھر تو آحسہ خاک تن کی اڑتی گلیوں میں
 نہ یہ چہلیں نہ یہ دھو میں نہ یہ چرچے ہم ہونگے
 میاں اک دن وہ آئیگا نہ تم ہونگے نہ ہم ہونگے

(۳۳)

جھگڑا نہ کرے مذہب و ملت کا کوئی یاں جس راہ میں جو آن پئے خوش رہے ہر آن
 زنا رکھے یا کہ بغل زنج ہو شر آں عاشق تو قلندر میں نہ ہندو نہ مسلمان
 کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا
 آحسہ وہی افشہ کا اک نام رہے گا

بیو پار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار آگے بھی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
جس طور کا اب چاہئے کر لیجئے بیو پار پھر جنس نہ دلال نہ مالک نہ خریدار
نے نقد نہ کچھ قرض نہ کچھ وام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا
میںخوار بھی کتنے ہوئے یاں مئے کے طلاق
لا جام کوئی بھر کے جو ہوا اور بھی باقی ساقی بھی کئی ہو گئے محبوب و شاقی
فرصت ہے غنیمت کوئی دم کالے ساقی

لئے نہ صراحی نہ ترا جام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

ٹک غور کرو اب ہیں کہاں محبوب و فریاد لیلی کہاں شیریں کہاں وہ ناز وہ بیداد
جو پھول کھلے واہ وہ سب ہو گئے برباد ہم تم بھی غنیمت ہیں سن اے یار پر نیراد

یہ حسن نہ یہ عشق کا ہنگام رہے گا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

دنیا کی بے ثباتی اور زمانے کے حادثات کا ذکر شعرا نے اپنے اپنے
طور پر کیا تو ہے مگر مثالیں جو دی ہیں ان کے سمجھنے سے عوام قاصر ہیں
شعرا کو اس کا خیال نہیں ہوتا کہ تعلیم کی کمی سے عوام ویسے عالی دماغ
نہیں ہوتے جیسے خواص ہوتے ہیں عوام کے واسطے جو مثالیں دی جائیں
وہ ایسی ہوں جن کا مشاہدہ اور تجربہ عوام کر چکے ہوں نظیر سے سمجھتا ہے
اور کہتا ہے

یہ کچھ عجب ہے دنیا کی اور کیا عجب کٹھی ہے

یاں مال کسی کا بیٹھا ہے اور چیز کسی کی کھٹی ہے
 کچھ لپکتا ہے کچھ بھنتا ہے پکو ان مٹھائی بھٹی ہے
 جب دیکھا خوب تو آہستہ کو نہ چوٹھا ہے نہ بھٹی ہے
 غل شور ہو لا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹی ہے

ہر شخص جانتا ہے کہ بازار لگتا ہے تو طرح طرح کی چیزیں وہاں لا کر اکٹھا
 کی جاتی ہیں۔ اُن میں کوئی میٹھی ہوتی ہے کوئی کھٹی۔ دکانوں میں
 کہیں کوئی چیز پکائی جاتی ہے کہیں بھونی جاتی ہے۔ کسی جگہ پکو ان
 ہوتا ہے۔ کہیں مٹھائی ہوتی ہے۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے بازار اٹھ جاتا،
 نہ دکانیں رہ جاتی ہیں نہ دکان کی چیزیں۔ اس مثال سے بہتر کوئی اور
 مثال دنیا کی بے ثباتی کی نہیں مل سکتی۔

یہاں ایک مثلث کے دو بند لکھے جاتے ہیں جو بقول پروفیسر آزاد
 مرحوم ذوق نے بادشاہ ظفر کے حکم سے کہے تھے۔ پروفیسر آزاد لکھتے ہیں
 کہ ایک بڈھا چورن مرچن کی پڑیاں سچپتا پھرتا تھا اور آواز دیتا تھا۔
 ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور مٹھا

حنور نے سنا۔ ایک دو مصرع اس پر لگا کر استاد کو بھیج دئے
 اُنھوں نے دنل دھرے لگا دئے۔ دو بند یاد رہ گئے ہیں
 کنجڑے کی سی ہاٹ ہے دنیا بھس ہے ساری اٹھی
 میٹھی چاہے میٹھی کے لے کھٹی چاہے کھٹی

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا
 روپ رنگ پر بھول نہ دل میں دیکھ عقل کے بیری
 اوپر بیٹھی نیچے کھٹی انبوا کی سی کسیری
 لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

دوسرے بند کو پڑھ کر شعراے بلند نظر ارشاد فرمائیں گے کہ ”دیکھ عقل
 میں عقل کو ذوق نے غلط نظم کیا ہے۔ رع گر گیا ہے اور ق ساکن متحرک
 ہو گیا ہے۔ مگر ان کے دشمن یہ نہ سمجھیں گے کہ مصرع میں اسی طرح نظم
 کرنے کی ضرورت تھی۔

پھر نظیر کہتا ہے ۵

کوئی تاج خریدے ہنس ہنس کر کوئی تخت کھڑا بناتا ہے
 کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی گدڑی اوڑھے جاتا ہے
 کوئی بھائی باپ چچا نانا کوئی دادا پوتا کہتا ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کوئے رشتہ ہے نے ناتا ہے
 غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکا کی سی ٹی ہے
 کوئی پھول کے بیٹھے مسند پر کوئی روئے اپنی دولت کو
 کوئی بوئے اپنا مجھ سے لو اور میرا ہو سو مجھ کو دو
 کوئی لڑتا ہے کوئی مرتا ہے کوئی جھگڑے حق پر ناحق کو
 جب دیکھا خوب تو آخر کو کچھ لینا ایک نہ دینا دو

غل شور بولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
 کوئی لوٹے کوپے گلیوں میں تیار کسی کا ڈیرا ہے
 کوئی باغ کنواں بنواتا ہے اور گھیر کسی نے گھیرا ہے
 نت قصے جھگڑے رہتے ہیں یہ میرا ہے یہ تیرا ہے

جب دیکھا خوب تو آخر کو نے تیرا ہے نے میرا ہے
 غل شور بولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

دنیا کو دارالمکافات تو سب ہی کہتے ہیں اور سن سن کر شعرا نے بھی یہی
 نظم کیا ہے۔ مگر اُن کے اشعار سے عوام کے دلوں پر محض اتنا ہی اثر
 ہوتا ہے۔ جتنا مجلس وعظ میں کسی مولانا کے وعظ سے۔ وہ دنیا کو بدے
 کا گھر مانتے تو ہیں مگر صرف اوپری دل سے بلکہ بہتیرے تو اس کان سے
 ہیں اُس کان اُڑا دیتے ہیں۔ نظیر اسے اس طرح سمجھاتا ہے کہ نقش
 کا حجر ہو جاتا ہے۔ اور جھلائے نہیں بھولتا۔ کہتا ہے۔

دنیا عجب بازو ہے کچھ عینس یاں کی ساتھ لے
 نیکی کا بد لانیکی لے بد سے بدی کی بات لے
 میوہ کھلا میوہ لے پھل پھول دے پھل پات لے
 آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے
 کلجاک نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کو درات لے

کیا خوب سودا نقد ہے اُس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے
یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزا مودی کو ٹکر دیکھ لے
موتی جو دے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کوئے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے اُس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے
اپنے نفع کے واسطے مست اور کا نقصان کر
تیرا بھی نقصان ہو و یگا اس بات پر تو دھیان کر
کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی جو پی تو چھان کر
یاں یاؤں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر
کلجگ نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کوئے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے اُس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے
جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پائے گا
گیہوں سے گیہوں جو سے جو چاول سے چاول پائیگا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا دہ واں کل پائے گا
کل دیوے گا کل پائے گا کھپاوے گا کل پائے گا
کلجگ نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کوئے اور رات لے

کیا خوب سووالقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اسی مضمون کو کریم اللہ خاں درویشد نے بھی ایک رباعی میں نظم کیا ہے
جو امیر اللغات سے یہاں نقل کی جاتی ہے۔ رباعی

جو کوئی کسی کو یار کلیائے گا یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پائے گا
اس وارمکافات میں سنائے غافل جو آج کرے گا تو وہ کل پائے گا

دونوں شاعروں کے انداز بیان کا فرق ظاہر ہے اور اس فرق

کی وجہ سے اثر پر جو اثر پڑا ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ نظیر ناصح مشفق بنکر
نصیحت کرتا ہے۔ دھمکاتا نہیں مگر درویشد کا انداز بیان ویسا ہی ہے

جیسا دھمکی دینے والوں کا ہوا کرتا ہے۔ ایسی تہدید میں اثر نہیں ہوتا
نظیر دنیا کی چیل چیل۔ ساز و سامان اور قصے قصیوں سے انسانی زندگی کی

اہمیت کو سمجھ لیتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ سب کچھ آدمی کے
دم سے ہے۔ اور آدمی کے دم تک ہے یہاں تک کہ آدمی بھی ہی وقت

تک آدمی ہے۔ جب تک دم میں دم ہے۔ دم نکل گیا تو وہ کچھ بھی نہیں
اور اُس کے لئے دنیا کا خاتمہ ہو گیا۔ بظاہر یہ معمولی باتیں ہیں مگر نکتہ

یہ ہے کہ دنیا میں آدمی کے دم سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ دنیا اُسی کے لئے
پیدا کی گئی ہے۔ اور اُسی کے متاثر ہونے کی وجہ سے ہر وقت تغیرات

اور اتفاقات رونما ہو رہے ہیں۔

جہاں میں جب تلک یار و ہمارے جسم میں دم ہے
کبھی ہنسنا کبھی رونا کبھی شادی کبھی غم ہے

کہیں کس کس سے کیا کیا ایک دم کے ساتھ عالم ہے
 مگر جو صاحب دم ہے وہ اس نکتے سے محرم ہے
 جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
 نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادوم ہے
 یہی دم ہاتھی گھوڑے پالکی ہودج پہ چڑھتا ہے
 یہی دم سبکیسی میں شنگے پاٹوؤں سے کڑھتا ہے
 کوئی مفلس ہو گھٹتا ہے کوئی عسکر ہو بڑھتا ہے
 جو کچھ ہے اونچ نیچ اسے یارو سب یہ دم ہی گڑھتا ہے
 جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
 نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادوم ہے
 اسی دم کے لئے بدلی میں بگلوں کی قطاریں ہیں
 اسی کے واسطے ابرو ہوا اور منہ کی دھاریں ہیں
 چمن گلزار بوٹا پھول پھل اور آبشاریں ہیں
 نظیر اب کیا کہے یارو یہ سب دم کی بہاریں ہیں
 جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
 نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادوم ہے
 سعدی نے کہا ہے

چو آہنگ رفتن کند جان پاک چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک
 اور ذوق نے کہا ہے

کتنے مفلس ہو گئے کتنے تو انگریز ہو گئے خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے
 ان شعروں سے غرض یہ ہے کہ مرنے کے بعد شاہ و گدرا اور مفلس
 و تو انگر و دونوں برابر ہو جاتے ہیں اور شریف و رذیل بنیاک و بد
 دولت مند و مفلس۔ عالم و عیال۔ حاکم و محکوم۔ خادع و مخدوم اور
 مردود و مقبول کا فرق زندگی ہی تک رہتا ہے۔ نظیر دیکھتا ہے کہ یہ
 فرق زندگی کا مقتضایہ ہے۔ اور زندگی میں مٹائے مٹ نہیں سکتا
 اس لئے وہ عوام کو اس طرح سمجھاتا ہے

(۱)

کوئی موتی چاہتا تھا کوئی موٹھ اور مٹر جس دم قھلانے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
 کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر یہ خاک پر موات موات تخت کے اُپر
 تھی جیسی جس کی قدر وہ بتلا کے مر گیا
 جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مر گیا

(۲)

گر ناز و نعمت میں رہا یعنی کہ وہ زردار تھا
 یا مفلسی کے ہاتھ سے محتاج ہو در در پھرا
 جب وقت چلنے کا ہوا نہ یہ رہا نہ وہ رہا
 آیا تھا جس احوال سے ویسا ہی آخر میل بسا
 گریوں ہوا تو کیا ہوا اور ووں ہوا تو کیا ہوا

(۳)

یا حاکم یا محکوم ہوئے یا عاقل یا معقول ہوئے
 یا غاوم یا مخدوم ہوئے یا جاہل یا مجہول ہوئے
 زردار ہوئے سردار ہوئے مردود ہوئے مقبول ہوئے
 کچھ اور نہ دیکھا آخر کو سب انت اسی میں مہول ہوئے
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے اگر کام پڑا سب قصے قصے پاک ہوئے
 حکاک مصور نور گر تھے یا ہاتھ تبر اور تیشے تھے
 یا پھیری سے دوکان بسی یا جنگل جنگل بیٹھے تھے
 جو علم و ہنر ہم سیکھے تھے اور جتنے اپنے پیشے تھے
 بس اور نظیر اب کیا کہئے سب ناحق کے اندیشے تھے
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے اگر کام پڑا سب قصے قصے پاک ہوئے

(۴۸)

گر ایک گویا روپے کا ملا کفن اور اک یونہی پڑا رہا بکیں برہنہ تن
 کیڑے مکوڑے کھا گئے دونوں کے تن بدن دیکھا جو ہم نے آہ تو سچ ہے یہی سخن
 جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

نظیر اپنے زمانے کی تعلیم سے بھی متاثر ہوا ہے۔ وہ سنتا آیا تھا کہ انسان کو
 دنیا کے کاموں میں منہمک نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ دنیاوی زندگی چند روزہ
 ہے۔ جو یہاں آیا ہے اُسے ایک دن کر خاک ہونا ہے۔ اس تعلیم سے

ایک بڑا نقصان یہ ہوتا تھا کہ آدمی میں کام کرنے کی امنگ پیدا ہونے
 ہی نہ پاتی تھی اور آدمی دنیاوی فرائض کو فرائض سمجھ ہی نہ سکتا تھا
 آج ایشیا میں یورپ کی سی ترقیاں اسی تعلیم کی بدولت ہو سکیں
 نظیر نے بھی کہہ دیا ہے

ٹاک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیں بدیں پھرے ہارا
 قزاق اہل کالوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
 کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا کوئی پلا مسر بھارا
 کیا گہوں چاول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں اور انگارا
 سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لا د چلیگا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گوں تری ڈھل جائیگی
 اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے پائیگی
 یہ کھپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جائیگی
 دھنی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آئیگی

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائیگا جب لا د چلیگا بنجارا

نظیر نے اس بات کو کہہ کر بے پروائی ساتھ نہیں دیتا کئی جگہ نہایت
 خوبی سے نظم کیا ہے۔ اُس کا انداز بیان ایسا ہے کہ اردو کے کسی
 اور شاعر کو نصیب نہیں ہوا۔ کہتا ہے

خاصے وہ گھوڑے ترکی و تازی جو تھے بڑے
 جان پر سنہری زین جواہر کے تھے پڑے
 مانگن بھی بہناتے رہے چھوٹے اور بڑے
 مالک چلا تو سب وہ وہیں رہ گئے کھڑے

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
 جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں
 اور پالکی بنی تھی سنہری جو زر نگار جھال رہ جس کی ہوتے تھے موتی پرے نشا
 لانا لکی پہ موت نے جب کر لیا سوا پھر وہ نہ پالکی نہ وہ جھال رہ وہ کمار
 جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
 جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں
 وہ گاڑیاں جو دوڑے تھیں گھوڑوں سے شیر ناگوری اُن کے ہاتھی کے پاٹھے سے خوبر
 یہی اٹھنا تے ہاتھ سے جب اٹھا اُن کر گاڑی اُدھر اٹ کئی مالک گرا ادھر
 جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
 جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں
 میانہ محافہ اور وہ چند دل بگھیاں وہ پینسیں وہ بوجے وہ چوپائے خوش نشاں
 مالک ہوا اہل کے جو کھڑکھڑے پر رواں بوجا گیا نہ ساتھ میانہ گیا میاں
 جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
 جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

(۲)

تو بدھیا لادے بیل بھر جب پور بچھو جاوے گا
 یا سود بڑھا کر لادے گا یا ٹوٹا نکھا ٹا یا دلے گا
 خزاں اہل کارستے میں جب بھالا مار گراوے گا
 دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبا کام نہ آوے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلیگا بنجارا
 راز قدرت و کمنہ فطرت دریافت کرنے کی کوششیں ازل سے ہوتی آئی
 ہیں۔ بڑے بڑے حکیموں اور فلسفیوں نے ایڑی چوٹی کا پسینہ اس کوشش
 میں ایک کر دیا ہے۔ عقل بھی دوڑائی ہے آگے بھی بنائے ہیں۔ تجربے
 بھی کئے ہیں۔ مگر اخیر میں سب مستتر ہو گئے ہیں کہ سمجھ میں کچھ نہیں
 آتا۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ نظیر اس کوشش کا ذکر اپنے خاص
 انداز میں اس طرح کرتا ہے ۵

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنے ہر اک بجاتا ہے شادیاں
 کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا بکھانے
 کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل کوئی نجومی لگا کھانے
 جو چاہو کوئی کہ بھید کھولے تو سب یہ حیلے ہیں سب بہانے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں داناکروڑ پنڈت ہزاروں سیکے
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے
 فلک تو کہنے کو دور ہیگا زمیں کا اب جو یہ بستر ہے
 کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جس پر فلک سے سرخ کا جالگاہے
 ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
 بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں داناکروڑ پنڈت ہزاروں سیکے
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

کوئی جو پوچھے کسی سے جا کر یہ ملک کیا ہے یہ کب بنا ہے
 جو جانتا ہو تو کچھ بتائے نہ جانے سو کیا کہ یہ کیا ہے
 ارسطو لقمان اور فلاطون ہر ایک سر کو پٹک گیا ہے
 یہ وہ طلسمات ہیں کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں نیڈت ہزاروں سیا
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

متصوفین کی نظروں میں وجود خلاق عالم نمود صور موجودات پر مشتمل ہے
 یعنی وہ دنیا و مافیہا کو وحدۃ الوجود کا مظاہرہ سمجھتے ہیں اور ساری
 موجودات کو ایک ہی باری تعالیٰ کے وجود کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ کہتے
 ہیں کہ جس طرح موج و حباب و گرداب و قطرہ و ذرالہ ایک پانی کی مختلف
 صورتیں ہیں۔ اسی طرح وجود ماسوا نحن اعتباری ہے۔ حقیقۃً حق سبحانہ و تعالیٰ
 کے ایک وجود کی اختیار کی ہوئی یہ مختلف صورتیں ہیں۔ غالب نے کہا ہے
 ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر یاں کیا دھرا ہے قطرۃ موج و حباب
 اسی لئے وہ خودی اور دوئی کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اور اپنے اور غیر
 میں فرق پسند نہیں کرتے۔ اور سچ بھی یہ ہے کہ دنیا کے سارے قصے
 قصے اور جھگڑے فساد اسی تفریق نے پیدا کئے ہیں۔ خودی اور دوئی
 نہ ہوتی تو سب ایک ہوتے۔ نظیر متصوفین کا یہ خیال اس طرح ظاہر کرتا ہے
 ابھی یہ ڈھب تھا کسی سے اڑے کسی کے پانوں پہ جا کے پڑے
 کسی سے حق پر فساد کیجے کسی سے ناصق پہ جا کے لڑے

ابھی یہ دُھن تھی نظیر دل میں کہیں بگڑے کہیں جھگڑے
 دونی کے اُٹھتے ہی پھر یہ دیکھا کہ اب جو لڑے تو کس سے لڑے
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنف کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے
 ابھی ہماری بڑی دُکال تھی ابھی ہمارا بڑا کُتب تھا
 کہیں خوشامد کہیں در آمد کہیں تو اصنع کہیں ادب تھا
 بڑی تھی ذات اور بڑے صفات اور بڑا حسب اور بڑا نسب تھا
 خودی کے شے ہی پھر جو دیکھا تو کچھ نسب تھا نہ کچھ حسب تھا
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنف کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

آدمی دنیا میں جب تک رہتا ہے اپنے حال میں مست رہتا ہے وہ جانتا تو ہے
 کہ ایک دن مرنا ہے مگر موت کا خوف اور مرنے کا خیال اُس کے کاموں
 میں خلل نہیں ڈالتا۔ پرانی تعلیم یہ تھی کہ موت سے ہر وقت ڈرتے رہو اور دنیا
 کے معاملات میں نہ پھنسو۔ اس تعلیم سے کام کرنے کا جو جوش اور دلولہ فطرت
 نے ودیعت کیا ہے وہ دب جاتا ہے خدا نے اسی مصلحت سے آدمی کو یہ قوت
 نہیں دی کہ اپنی موت کا دن معلوم کر سکے۔ اگر اُسے یہ معلوم ہو جاتا
 تو کسی کام میں اس کا جی نہ لگتا۔ اور آج تک دنیا نے جو ترقیاں کی ہیں
 وہ نہ کر سکتی اور اُس کا جو حال ازل میں تھا وہی آج بھی ہوتا۔ باوجود اسکے
 کہ خدا نے آدمی کو اس کے مرنے کا دن معلوم نہیں ہونے دیا۔ اور اُس کے

یوم مرگ پر پردہ ڈالا ہے پھر بھی موت سے غفلت کی مذمت کی جاتی ہے
 اور موت سے نڈر ہو کے کام کرنے والوں کا مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔
 جب نظیر ان مضحکہ اُڑانے والوں کی ترجہانی کرتا ہے تو کہتا ہے ۵
 ڈھاتے تھے داں مزدور تو تن کی محل سرا یہ گھر بنا رہے تھے دوا لیں اُٹھا اٹھا
 اس میں قضا کا راج جو کوٹھے پہ اچڑھا شہتیر سا جو قد تھا سو خم ہو کے جھکا گیا
 گرنے لگی کڑی پہ کڑی تب خبر ہوئی

یہ تو لگائے بیٹھے تھے اپنی بڑی دکان تھے غرق لین دین میں اور کچھ بھی تھا نہ دھیا
 لیکھا پھلرس میں عمر کا ڈیوڑھا ہوا جب آن گیا بھی لنڈھ چلا نہوا تب بھی کچھ گیان
 جب لٹ گئی دھڑی کی دھڑی تب خبر ہوئی
 چھاتی یہ چڑھ قھنائے لیا جب گلے کو گھنٹ پانی کا پھر تو آہ نہ اُترا گلے سے گھوٹ
 اکھڑی بدن سے جان بھی لگ لگ سی چھوٹ بیخہ دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ
 جب چاب نی گلے کی نڑی تب خبر ہوئی

کاندھے پہ رکھ کے پالکی لے آئے جب کنار اور غل مچا کے بولے کہ جلدی کرو سوار
 اس میں نہا کے آپ بھی جلدی ہوئے تیار کپڑے بدل کے عطر لگا پھن پھول ہار
 نکلی سواری دھوم پڑی تب خبر ہوئی

جب پالکی میں چڑھ کے چلا آپ کا بدن کلمہ نقیب پڑھتے چلے ساتھ کر چھین
 تو بھی یہ کہتے تھے کہ ہوا کون بیوطن جب آئے اس گڑھے میں نظیر اور ہزار امن
 اوپر سے آکے خاک پڑی تب خبر ہوئی

اس نظم کے آخری دونوں بند نظیر کی معجز بیانی کا بہترین ثبوت ہیں کیفیت

کا ایسی خوبی سے نظم کر دینا اور کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ دیکھنے والوں نے ایک دو دفعہ نہیں سیکڑوں دفعہ دیکھا ہو گا کہ پردہ نشین عورتوں کو کہیں جانا ہوتا ہے تو کہا رٹلائے جاتے ہیں۔ وہ پالکی لے کر دروازے پر جباتے ہیں تو جلدی کرنے لگتے ہیں۔ اور سوار کرو کی رٹ لگا دیتے ہیں۔ عورتیں اپنے بناؤ سنگار میں لگی ہوتی ہیں۔ نہادھو کے کپڑے پہنتی ہیں۔ غطر لگاتی ہیں پھول کے ہار گلے میں ڈالتی ہیں اس تیاری کے بعد پالکی میں سوار ہوتی ہیں تو کہا رٹا اٹھا کر لے چلتے ہیں۔ یہی حال مردے کا بھی ہوتا ہے۔ آدمی مرا نہیں کہ قبرستان میں لے چلنے کی جلدی ہونے لگتی ہے۔ اسے غسل دیتے ہیں۔ کفٹاتے ہیں۔ کفن میں خوشبو لگاتے ہیں۔ کبھی کبھی جنازے پر پھول کے ہار بھی ڈالتے ہیں۔ یہ تیاریاں ہو چکتی ہیں تو چار آدمی کاندھوں پر اٹھا کر اسے قبر تک کلمہ پڑھتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ جہاں وہ دفن کیا جاتا ہے۔ اور اس پر ہزاروں من مٹی ڈالی جاتی ہے۔

نظیر نے لفظوں میں یہ تصویر ایسی کھینچی ہے کہ اصل حالت نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ اس کے اثر اور کیفیت سے اردو کے شعرا کے دیوان خالی ہیں۔

نظیر نے بے ثباتی دنیا۔ نیرنگ زمانہ۔ بے وفائی زندگی کے بارے میں کثرت سے نظمیں کہی ہیں۔ اس نے یہ نہیں کیا کہ ایک ہی سبق بار بار دہرایا ہو بلکہ ہر نظم میں ایک نئی کیفیت پیدا کی ہے۔ پڑھنے والے کو ہر نظم سے ایک نیا لطف ملتا ہے۔ ایک ایک شعر بلکہ ایک ایک مصرع بتاتا ہے

کہ اس کا تحنیل ہمہ گیر اور متنوع ہے۔ وہ اگر بزرگ بننے نصیحت کرتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا بڑا خیر اندیش ہے اور ہمارے بڑے فائدے کی باتیں کہہ رہا ہے۔ حضرات واعظین اپنے وعظ و پند کے ذریعے سے کوشش کر کے جو باتیں ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں اور نہیں کرا سکتے۔ نظیر اپنے معمولی سے معمولی شعروں کے ذریعہ سے وہ سب ذہن نشین کرا دیتا ہے۔ وعظ ہمیشہ نیکی کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ انھوں نے ہمیشہ بتایا ہے کہ اس دنیا کی نیکیاں عقبیٰ میں کام آئیں گی مگر ان کا انداز بیان جیسا ہوتا ہے ظاہر ہے اور ان کی موعظت کا اثر جیسا ہوا ہے معلوم ہے نظیر کا انداز بیان اور موعظ یہ ہے ۛ

گر اچھی کرنی نیک عمل تم دنیا سے لے جاؤ گے
تو گھر بھی اچھا پاؤ گے اور بیٹھ کے سکھ بھی پاؤ گے
اور ایسی دولت چھوڑ کے تم جو خالی ہاتھوں آؤ گے
کچھ بات نہیں بن آنے کی گھبراؤ گے پچتاؤ گے
تن سوکھا کٹری پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی سن کر کر دبابا
نظم میں تیرنگ زمانہ کی کیفیت نظیر سے بہتر کوئی نہیں دکھا سکا کہتا ہے ۛ
یہ جواہر خانہ دنیا جو ہے با آب و تاب
وہ مطلقاً قصر زلیخا وہ نقش بام و در
نظم میں تیرنگ زمانہ کی کیفیت نظیر سے بہتر کوئی نہیں دکھا سکا کہتا ہے ۛ
اہل صورت کا ہے دریا اہل معنی کا سراب
جن کی رنگینی سے تھا قصر ارم کو پیچ و تاب
وہ عظیم الشان مکان تہی تھیں جن کی رقیں
ہنسکے طاق آسماں کو طاق ابرو سے جواب

صحن میں بتائیں ایسے پراز غلمان و حور
 اُن میں تھے وہ صاحب ثروت جنھیں کشتی خلق
 مہروش بہر مصلحت بدر قدر و خرچ خرش
 وہ بجل وہ کمول وہ تفوق وہ غرور
 ہر طرف فوج بتاں ہر سو ہجوم گلر خاں
 چشمک آن و اشارات داداؤ سرکشی
 صبح سے لے شام تک در شام سے لے تا بصر
 ساقی و مطرب ندیم وستی و میخوارگی
 کثرت اہل نشاط و جوش نوشا نوشی
 وہ بہاریں وہ فضاہیں وہ ہوائیں وہ سرور
 یا تو وہ ہنگامہ تشیط تھا یا دھند
 جو وہ سب جاتے رہے دم میں جبابہ ساگر
 تھا جہاں وہ مجمع عالی و ہاں اب ہے تو کیا
 ہیں اگر دشت باہم تولپا فسوس ہیں

خواب کہئے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
 کچھ کہا جاتا نہیں وائے علم بالصدواب

(۲۲)

جن کی نہروں میں تھا جائے بگل خالص گلاب
 کینباد و تیسر و کینسر و وائے اسباب
 مشتری بہت تر تا بار کہ کیوں جناب
 وہ تھشم وہ تنغم وہ تغیش وہ شباب
 جن کے عارضین رنج ماہ در شک و آفتاب
 طنز و تعریف و کتابت عمرہ و نازد عتاب
 متصل قص و سرود و پئے بپئے جام شراب
 ساغر و مینا گل و عطرد و می و نقل و کیاب
 از زمیں تا آسماں شور سے دھنک رباب
 وہ مطرب وہ عیش کچھ جس کی نہیں حد حساب
 کر دیا ایسا کچھ اس دور کا ہے انقلاب
 رہ گئے عبرت زدہ وہ قہر و بران و خراب
 نقش سیم گور یا کہنہ کوئی پر عتاب
 اور جو کوئی طاق ہے تو صورت چشم پر آب

کیا دل لگا نہیں مہرباں ہم صورت سے کہیں
 تھا اک مکان لکشا رشاک چین جس کی فضا
 نہ واں ثبات اس کے بہم نیایا قیام اپنے نہیں
 تھی اس جگہ رونق فراق احمد ستیج و نازیں

قد سرت سر و چین باب غیرت لعل سخن
 ناز و ادا کی نرسیاں غارتگر صبر و توان
 پستان کو عاشق دیکھ کر تجھے تھا جنت کے مہر
 اُس کی کمر بند و مٹھی عاشق کو پر معلوم تھی
 کیا کیا لگاؤٹ بے بدل کیا کیا رکھاؤٹ محل
 گردوں نے اک گردش جو کی زار و عجزہ بگی
 وہ گل سا کٹھن از رد ہے گرمی کا عالم سر دے
 نہ چشم میں سستی رہی نہ خمیں وہ تندہی رہی
 جوں بہدیر زان دست پاپا چلتی تھی لیکر اک عھا
 دیکھ اُس کو میں نے ناگماں پوچھا کچھ اپنا کر یا

جعدِ عنبر پر شکن نوکِ مژدہ شستہ قریں
 طورِ تکلم و رفتاں طرزِ تبسم شکرین
 پرتی جوا برو پر نظر کتنا کہ یہ ہے تیغِ لیس
 چاروں طرف اک دھوم تھی ایسی غصہ کی تھیں
 کیا کیا بناؤٹ بل پہل کرتی تھی وہ زہرہ جیں
 وہ نوجوانی ناز کی دیکھا تو باقی ہی نہیں
 جاں رنج سے پردہ ہنسا زردہ دل اندنگیں
 نہ لبیں وہ سرخی بدہی نہ منہ میں وہ درخیں
 نورِ بحر وہ بال تھا جو تھا مثالِ مشک چین
 تھی کل تو رشکِ گلستاں ہے آج خارِ ہمگین

بولی نظیرِ غیرت میں رہ کیا پوچھنے کی ہے جگہ

یاں کی یہی ہے رسم و رہ گاہ چنناں گاہ چنیں

ان دونوں نظموں کے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ عوام کے لئے نہیں
 لکھی گئیں بلکہ اپنی قوتِ فکر و زورِ طبع دکھانے کے لئے شاعر نے لکھی ہیں
 دوسری نظم ایسی صاف ہے کہ اس کی زبانِ نظیر کے زمانے کی معلوم ہی
 نہیں ہوتی۔ اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ اغلاط اور خامیاں نظیر کے جمل
 اور نادانیت کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ وہ جان بوجھ کر لغت اور قواعد
 کی پروا نہیں کرتا تھا اور عوام جو لفظ جس طرح بولتے تھے۔ اسی طرح
 نظم کر دیتا تھا۔ اُس نے اکثر و بیشتر نظمیں لوگوں کی فرمائش پر لکھی ہیں اور

۱۔ عبرت کا عین گر کیا ہے۔

جیسا ایک بزرگ سے سنا ہے فرمائش کرنے والے معاوضہ بھی دیا کرتے تھے
لہذا اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ فرمائش کرنے والوں کا مذاق
علمی استعداد اور طبیعت کا رنگ اور میلان دیکھ کر نظمیں کہتا۔

نظیر سے پہلے بھی بعض شعرا نے مسلسل اشعار کی غزلیں کہی تھیں
مگر ان غزلوں میں سوا عشق و عاشقی کے انسان کے اور کسی جذبے کا ذکر
ہی نہ تھا اور عشق بھی وہ تھا جو حقیقی نہیں فرضی اور خلافت فطرت نہیں
منافی فطرت تھا۔ نظیر پہلا شخص ہے جس نے معاشرت کے ہر پہلو پر
نظر کی اور علم اخلاق بکرا اور فرائض کے طرف بھی لوگوں کو متوجہ کیا۔ اس نے
انسانی زندگی کے مختلف زمانوں کی حالت نظم کی اور ہر زمانے کی خوبیاں
اور دلچسپیاں ظاہر کیں۔ نظمیں کیا ہیں رضاعت اسے لیکر کمولت تک کی
آئینہ ہیں۔ اُس نے طفلی کے بارے میں جو نظم کہی ہے اُس میں امیروں
اور غریبوں دونوں کے بچوں کی حالت دکھائی ہے۔ اس کی قوت مشاہدہ
ایسی تیز ہے کہ جو باتیں تیز نظر سے تیز نظر کو بھی دکھائی نہیں دیتیں وہ دیکھ
لیتا ہے کس مزے سے کہتا ہے۔

دل میں کسی کے ہرگز نہ شرم نہ حیا ہے آگاہی کھل رہا ہے سمجھا بھی کھل رہا ہے
پسے پھرے تو کیا ہے نگے پھرے تو کیلے یاں یوں بھی واہ واہا اور دوں بھی واہ واہ
کچھ اس طرح سے کھالے کچھ اس طرح سے کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں مصوم بھولے بھالے

باپ ماں سے پوچھتا چاہئے کہ ان مصرعوں میں کیا لطف ہے حقیقت یہ ہے

کہ ان کی خوبیاں نہ تو بیان کی جاسکتی ہیں۔ نہ اس حالت کو نظیر کے سوا کوئی اور شاعر نظم کر سکتا ہے۔

قرینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظیر نے کسی بچے کی بے فکری اور بھولے پن کو دیکھا ہے اور اس کی فطری سادگی سے متاثر ہو کر یہ نظم کہی ہے۔ کیونکہ آخری بند میں وہ کہتا ہے ۵

یہ بالے پن کا یار و عالم عجب بنا ہے یہ عمر وہ ہے جس میں جو ہے وہ بادشاہ اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشاہ بھی کیا ہے اب تو نظیر دل سے میری یہی دعا ہے جیتے رہیں سمجھوں کے اس مراد والے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

نظیر کی یہ دعا کہ ”جیتے رہیں سمجھوں کے اس مراد والے“ والدین کے دلوں میں وجدانی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ حضرات شعرا جنھوں نے عروض و قافیہ اور قواعد کی کتاب میں ضرورت سے زیادہ پڑھی ہوں گی فرمائیں گے کہ ”اس و مراد والے“ میں ”وا“ و ”عطف غلط ہے مگر غلط ہی ترکیب کے ساتھ وہ ایسی کوئی دعا نظم کر کے دکھا دیں۔ اسی کتاب میں کسی اور موقع پر اس غلطی سے بحث کی گئی ہے۔

جوانی کے بارے میں نظیر نے جو کچھ کہا ہے اس سے کون جوان اور کون بوڑھا واقعہ نہ ہوگا۔ اس نظم کو جو پڑھتا ہے اسے یہ اپنی ہی روداد اور آپ بیتی معلوم ہوتی ہے۔ گویا نظیر موجود تھا اور جملہ حرکات و سکنات کو غور سے دیکھ دیکھ کر نظم کرتا جاتا تھا۔ جوانی میں کیا نہیں ہوتا۔ اور جو

ہوتا ہے حقیقتاً جوانی اُسی کے لئے ہے بھی اور اُس کی ہو ہو تصور کھینچنا
 نظیر کے سوا کسی اور شاعر کا کام بھی نہیں۔ زندگی کے اس بہترین زمانے
 کی دلچسپ رنگ رلیوں کے بیان کرنے کو اردو کے بہترین شاعر ہی کی
 ضرورت تھی۔ وہ کہتا ہے ۔

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا جو ہر کہیں عاشق کہیں رسوا کہیں شیدا
 پھندے میں کہیں جی ہے کہیں دل ہے ٹپتا مرنے میں سسکتے ہیں بلکتے ہیں اہا ہا
 اس ڈھب کے فرے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی

عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی
 لڑتی ہے کہیں آنکھ کہیں دست کہیں سینہ چھوٹا ہے کہیں پیار کسی سے ہے لگی غین
 وعدہ کہیں اقرار کہیں سین کہیں سینہ نہ جی کو فراغت ہے نہ آنکھوں کے تئیں چین
 اس ڈھب کے فرے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی

عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی
 الفت ہے کہیں مہر و محبت ہے کہیں چا کر تا ہے کوئی چاہ کوئی دیکھ رہا راہ
 ساقی ہے صراحی ہے پر زاد ہیں ہمراہ کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں کیا عیش ہیں اللہ
 اس ڈھب کے فرے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی

عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی
 کیا تجھ سے نظیر اب میں جوانی کی کہوں بات اس سن میں گزرتی ہے عجب عیش سے اوقات
 محبوب پری زاد چلے گئے ہیں دن رات سیر ہیں بہاریں ہیں نواضع ہے مدارات

اس دُھب کے مزے کھتی ہے اور دُھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

یوں تو مقتضاء فطرت ہی یہ ہے کہ کمال کے بعد زوال - نشو کے بعد انحطاط
اور الشباب کے بعد اکتمال یعنی جوانی کے بعد پیری ہو مگر کسی زوال
اور کسی انحطاط کی اتنی مذمت اور شکایت نہیں کی جاتی جتنی پیری کی۔
فارسی میں پیری و صد عیب کہتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے۔ کیونکہ بچپن سے
جوانی تک جتنی اُمنگیں جوش اور ولولے پیدا ہوتے ہیں۔ پیری میں
سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ قدرِ نعمت بعد زوال ہوتی ہے اسلئے
جوانی کی ایک ایک بات یاد آئے کے بڑھاپے میں آدمی کو ہر وقت تڑپا یا کرتی
ہے۔ جوانی کے مسرت بخش واقعات اور عشرت اندوز معاملات اُس کے
پیش نظر ہوتے ہیں۔ اور ہر لمحہ اس کی پریشانی کو بڑھایا کرتے ہیں مگر
جو شخص جوانی کو زاہد خشک بن کے گزارتا ہے۔ اُسے پیری میں وہ
ایذا نہیں ہوتی جو کسی رنگیئے اور عیاش کو ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ جوانی
میں اس کا ساعیش زاہد خشک بھول کر خواب میں بھی نہیں دیکھتا۔
نہ پیری میں اُس کی سی رنگ رلیوں کی یاد زاہد خشک کے دہم و گمان
میں ہوتی ہے۔ نظیر بطور خود بظاہر تو یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اُس کی
رنگ رلیوں کی حالت بڑھاپے میں کیا ہو رہی ہے مگر حقیقت یہ ہے
کہ عیش پرست جوانوں کی عبرت کے لئے اُس نے نصیحت کا یہ طریقہ
اختیار کیا ہے جو اور طریقوں سے بدرجہا زیادہ اثر رکھتا ہے وہ کہتا ہے ۵

کیا قبر ہے یار وجہ آجائے بڑھایا اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھایا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بڑھایا ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھایا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھایا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھایا

تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پورے وہ کون سے گل و نکتے جو ہم نے نہیں کھورے
اب آکے بڑھاپے نے کئے ایسے ادھورے پر چھڑ گئے دم اڑ گئی پھرتے ہیں ننڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھایا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھایا

کیا یار اُلٹ ہم سے گیا ہائے زماں جو شونخ کہ تھے اپنی نگاہوں کی نشاں
پھیرے بے کوئی ڈال کے داد اکا بہانا ہنس کر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہونا نا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھایا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھایا

دریائے تماشے کو اگر جاسیں تو یارو کتبے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو
اور ہمیں کے شرارت سے کوئی پوچھے ہر بد خو کیوں خیر ہے کیا خیر سے ملنے کی چلے ہو

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھایا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھایا

گر جاویں طوائف میں تو لگتی ہیں سنائے کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہے نمازوں کے دوگانے ٹھٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھایا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نظیر نے جوانی اور بڑھاپے کی لڑائی بھی نظم کی ہے۔ یہ نظم کسی قدر پھکی تو ہے مگر کیفیت سے خالی نہیں اور جوانوں کے لئے درس عبرت ہے۔
جوان عام طور پر بوڑھوں کو بُری نظروں سے دیکھا کرتے ہیں اور اپنی قوت و توانائی پر ناز کیا کرتے ہیں۔ نظیر کہتا ہے کہ اگر جوانوں میں اگر اور زور ہے تو ہوا کیسے۔ بوڑھوں کی عقل اور تجربہ جوانوں سے کہیں زیادہ ہے اس لئے وہ جوانوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ کہتا ہے کہ

جوانی اپنی جوانی میں ہو رہی سرشار بڑھاپا اپنے بڑھاپے میں دم رہا ہے مار
ہوئے ہیں دونوں جوڑنے کے وسطے تیار ادھر جوانی نے بھینچی ہے طین سے تلوار
ادھر بڑھاپے نے بھی لاکھی اک اٹھائی ہے

جوانی کستی ہے سے

میں آج وہ ہوں کہ رستم کو کھڑکھڑاڈالوں پہاڑ ہووے تو اک دم میں بل ہلاڈالوں
درخت جڑ سے اکھاڑوں زمین ہلاڈالوں ابھی کہے تو تری وہ بجیاں اڑاڈالوں
کہ مجھ کو زور کی قوت کی بادشاہی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا کہ تو نے جھوٹ کہا جو پوچھے سچ تو ہیں کو فریبے جینے کا
شراب ہو جو پرائی تو بڑھ چلے ہے نشا پرائے جب ہوئے چاول تو بے انھیں میں مرا
قدیم ہے یہ مثل ہم نے کیا بنائی ہے

تری تو خلق میں ہے چار دن کی سبکچاہ جہاں تو ہو چکی بھڑی ہی ہے حال تباہ
ہیں وہ ہیں کہ کرے ہیں تمام عمر نباہ تو آپی دیکھ گریباں میں ڈال کر منہ آہ

کہ اب بے کس میں وفا کس میں بے وفائی ہے
 جوانی غور سے سن میرا کیسا ہے رُتبا مرا تو وصف کتابوں میں بے لکھا ہوا
 بزرگی اور شجاعت بڑھا پے میں ہے سدا تری جوابات کا مذکور ہے کہیں آیا
 تو ہر طریق میں خواری ہی تجھ پر آئی ہے
 جوانی جواب دیتی ہے (اور جواب بھی ایسا کہ سوا نظیر کے اور کسی کے
 دماغ میں آہی نہ سکتا تھا)۔

جسے تو جینا سمجھتا ہے اور خوشی کی بات وہ تیرا جینا نہیں بلکہ بے حیائی ہے
 نظیر کی نظم ”فقیروں کی صدا“ بھی بڑھا پے ہی کی بابت ہے۔ اس کا
 انداز بیان ویسا ہی ہے جیسا فقیروں کا ہوا کرتا ہے، اثر اس میں غضب
 کا ہے۔ ایک ایک مصرع سے حسرت و یاس۔ حزن و ملال اور رنج و غم
 مترشح ہے۔ بڑھا پے میں موت کا خیال ہر وقت رہتا ہی ہے اور اپنی
 ناتوانی اور قابلِ رحم حالت کو ہر بوڑھا سمجھتا ہی ہے فقیر کی زبان سے
 اسی کا بیان ہے اور غافل کو ہشیار کرنا منظور ہے۔ یہ نظم نظیر کے آیات
 کمال میں سے ہے اور اس کی نظیر اردو اور فارسی میں نایاب ہے۔ بڑھا پے
 کی رُلا دینے والی حالت وہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

سر کا نیا چاندی بال ہوئے بٹھ پھیلا پلکیں آن جھکیں
 قد ٹیڑھا کان ہوئے بھرے اور آنکھیں بھی چندھیائے گئیں
 سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سُست ہوا آواز نہیں
 جو ہونی تھی سو ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا کبری پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

اب موت نقار ابا ج چکا چلنے کی فک کر کرو بابا

سب جانتے ہیں کہ بڑھاپے میں سر کا نیسے لگتا ہے۔ بال جھڑ جاتے ہیں
 منہ پھیل جاتا ہے۔ پلکیں آنکھوں پر لٹک آتی ہیں۔ کمر جھک جاتی ہے
 سماعت میں فرق آ جاتا ہے۔ بصارت کم ہو جاتی ہے۔ آرام سے نیند
 نہیں آتی۔ بھوک نہیں لگتی۔ دل سست رہتا ہے۔ آواز ٹھرائے
 لگتی ہے۔ اور اس حالت سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ حوائی ختم ہو گئی اور
 جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب وقت آ گیا ہے۔ مرنے کو کچھ ہی دن رہ گئے
 ہیں۔ یہی باتیں نظیر بیان کر رہا ہے۔ اس کے بیان میں نہ تصنع ہے نہ
 تکلف سیدھے سادے الفاظ ہیں جن میں جادو کا اثر ہے۔ اسی نظم
 میں وہ اپنے تخیل کا زور بھی دکھانا چاہتا ہے اور کہتا ہے ۵

یہ اسپ بہت کو دا اچھلا اب کوڑا مارو زیر کرو

جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کو اپنے ڈھیر کرو

گڑھ ٹوٹا لشکر بھاگ چکا اب میان میں تم شمشیر کرو

تم صاف لڑائی ہار چکے اب بھاگنے میں مست دیر کرو

تن سوکھا کبری پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

اب موت نقار ابا ج چکا چلنے کی فک کر کرو بابا

اس بند کے تیسرے اور چوتھے مصرعوں کو شاعری کا سجزہ سمجھنا چاہئے۔ یہ
 وہ تشبیل ہے جس پر اردو کو ناز ہے اور ناز بجا ہے۔

شاہ ظفر مرحوم نے بھی فقیر کی صدا نظم کی ہے۔ وہ بھی یہاں نقل کی جاتی ہے تاکہ دونوں شعرا کے انداز بیان اور تخیل کا فرق اور دونوں کے اشعار کے اثر کی حالت ظاہر ہو جائے۔ ظفر ارشد فرماتے ہیں

کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہوگا
محتاج خرابا تھی ہے پاپاک نمازی ہے کچھ کرنے نظر اس پر واں نکتہ نوازی ہے
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہوگا
دنیا کے کیا کرتا ہے تو سیکڑوں بھندے پر کام خدا را بھی کرے کوئی بندے
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہوگا
دنیا ہے سرا اس میں تو بیٹھا مسافر ہے اور جانتا ہے یاں سے جانتا ہے آخر ہے
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہوگا
جو رب نے دیا تجھ کو تو نام پر کے دے گریاں نہ دیا تو نے واں یوے گا کیا بندے
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہوگا
دیگا اسی کو تو وہ جس کو ہے دلواتا پر ہے یہ ظفر تجھ کو آواز سنا جاتا
کچھ راہ خدا دے جا جا تیرا بھلا ہوگا
اس مثلث کے دوسرے بند پر شعراے خوش فہم اعتراض کریں گے کہ "کے کیا کر" میں تنافر ہے مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسی تنافر نے لطف پیدا کیا ہے اور یہی وہ تنافر ہے جس کے ڈر سے آج شعراے اردو کی زبانوں پر پوری بات نہیں آتی۔ اور اسی کی بدولت سخن فہموں

کو اردو شاعری سے متفر ہے۔

تظہیر ہر چیز کی اہمیت کو بخوبی سمجھتا ہے۔ اور شاعروں کے اشعار کی طرح اس کے اشعار جھوٹ اور خرافات کا طومار نہیں ہوتے۔ وہ دنیا کی ایک ایک چیز کو آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے اور دیکھنے کے بعد ایسے کلمے بناتا ہے جن میں استثنائی گنجائش ہوتی ہی نہیں۔ غالب فرماتے ہیں ۵

تنگ دستی اگر نہ ہو غالب تند رستی ہزار لغمت ہے
ان کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر تنگ دستی ہے تو تند رستی ہزار لغمت نہیں۔ حالانکہ فقیر اور محتاج کو بھی تند رستی کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی امیر اور دولت مند کو۔ اسی لئے نظیر کہتا ہے ۵

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تند رست ہو بے زر ہو یا امیر ہو پر تند رست ہو
قیدی ہو یا سیر ہو پر تند رست ہو مفلس ہو یا فقیر ہو پر تند رست ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تند رست

چونکہ آبرو اور تند رستی سے بڑھکر دنیا میں اور کوئی چیز نہیں اس لئے وہ بے ساختہ کہتا ہے ۵

بروا نہیں اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو محتاج حق سوا وہ کسی اور کا نہ ہو
حسن و جمال علم و ہنر گر ملا نہ ہو اک تند رستی چاہئے کچھ ہو وے یا نہ ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار گرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ پر اس کو جانئے کہ گدا سے بھی ہے تباہ
ہم تو اسی کو مستشاہ کہیں اور جہاں بنا اپ جس کا تن درست ہو حرمت ہی ہونا
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دوائیں بیمار کے کئے اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھننے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چلبے چنے جو تندرست ہیں ہی دوٹھا ہیں اور بنے
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اگرچہ نظیر زیادہ تنگدست اور مفلس نہیں تھا۔ اور سہ

فضل نے اللہ کے اس کو دیا عمر بھر عزت و حرمت کے ساتھ پارچہ و آب و ہوا
پھر بھی وہ فارغ البال نہیں تھا۔ اُسے فکر معاش رہتی تھی۔ اور
معاش سے اس کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی تھی کہ اطمینان سے بسر کر سکتا
وہ اپنی مفلسی کا اظہار اس طرح کرتا ہے سہ

جواہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں مفلس ہوئے تو کلنگ نکال بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں وہ جو غریب غریبا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جانتی ہے مفلسی

آگے کے بندوں میں اُس نے مفلسوں کی حالت جس خوبی اور قوت
سے دکھائی ہے وہ اس کی قدرت کلام کی شاہد ہے۔ کس مزے سے

کہتا ہے ۷

بیٹے کا بیاہ ہو تو نہ بھائی نہ ساتھی ہے نہ روشنی نہ بابے کی آواز آتی ہے
ماں چدر اور مٹھی میلی سی اک پیچھے جاتی ہے بیٹا بنا ہے دو طہا تو باوا براتی ہے

مغلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی جو آشنا ہیں ان کی تو الفت گھٹاتی ہے
ایہوں کی ہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے

ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی اس نے ایک نظم میں خوشامد کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ یہ نظم پھیلی ہے
مگر خوشامد کا جو اثر ہوا کرتا ہے اس کو بخوبی ظاہر کرتی ہے۔ کہتا ہے
چار دن جس کو خوشامد سے کیا جھکے سلام وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہو کام میں کام
بڑے عاقل بڑے دانہ نے نکالا ہے یہ دام خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے

حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
بی بی کہتی ہے میاں آترے صدقے جاؤں ساس بولے کہیں مت جاترے صدقے جاؤں
خالہ کہتی ہے کہ کچھ کھاترے صدقے جاؤں سالی کہتی ہے کہ بہتاترے صدقے جاؤں
جو خوشامد کرے خلق اس کو سدا راضی ہے

حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
نظیر نے ہندو والے تیوہاروں کا سماں نظم میں دکھایا تو ہے مگر نظمیں
پھیلی ہیں اور ان سے ہندوؤں کے جذبات اور احساسات پورے

طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے وہ طبیعت پر زور ڈال کر کہا ہے۔ یہ خیالات اُس کے دل میں بے ساختہ پیدا نہیں ہوئے۔

سلو نو یا رکشا بندھن ہندوؤں کا خاص تیوہار ہے۔ اس میں عورت و مرد ہاتھوں میں راہی یا ایک طرح کا زری کا کنگنا باندھتے ہیں اور شکرے کر سسرال جاتے ہیں۔ اس کی کیفیت نظیر اس طرح دکھاتا

ہے ۵

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلو نو کی بہار اب تو
ہر اک گلزد پھرے ہے راہی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
یہی آتا ہے جی میں بن کے با مھن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھو پیار کی راہی
ادا سے ہاتھ اٹھنے میں گل راہی جو ملتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں
کماں نازک یہ پھنچے اور کہاں یہ سنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اُس شون گل خسار کی راہی

دیوالی ہندوستان میں قمار بازی کا ایک تیوہار ہو گیا ہے۔ اس
تیوہار سے اصلی غرض جو تھی اس کی طرف لوگ توجہ نہیں کرتے۔ نظیر

بھی وہی باتیں نظم کرتا ہے جو سرسری طور پر اُسے نظر آتی ہیں پھر بھی
سماں بندی کا حق ادا کر دیتا ہے۔ کہتا ہے سہ

جہاں میں یار و حُب طرح کا ہے یہ تیو ہار کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھا
کھلونوں کھیلوں بتا سونک کر ہے بازار ہر اک دکان میں چراغوں کی پوری ڈہا
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوا لی ہے

مکان لپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی جلا چراغ کو کوری وہ جلد جھنکائی
جواہل جواہری تھے اُن میں تو جان سی آئی خوشی سے کودا چھلکے پکارے اور بھائی
شگون پہلے کرو تم ذرا دوا لی کا

شگن کی بازی لگی پہلی بار گنڈے کی پھر اس سے بڑھکے لگی میں چار گنڈے کی
پھری جواہری طرح بار بار گنڈے کی تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی
کمال نرخ لگا پھر تو آ دوا لی کا

ہولی ہندوؤں کا خاص تیو ہار ہے۔ وہ اس تیو ہار میں گاتے بجاتے
اور رنگ ڈالتے پھرتے ہیں۔ سوانگ بھر کر گلی کوچوں میں گشت لگاتے
ہیں۔ دوستوں کے گلے ملتے ہیں۔ ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں
ایسی چل چل کسی اور تیو ہار میں نہیں ہوتی۔ نظیر ہندوؤں سے میل
رکھتا ہے۔ اُن کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ اسی لئے اس تیو ہار کی
کیفیت جیسی اس نے نظم کی وہ کسی اور سے نہ ہو سکی کہتا ہے سہ

ہر جا کہ بھال گلا لوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر جیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے

ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پکاری ہے
 منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
 یہ روپ جھمکتا دکھلا یا یہ رنگ دکھایا ہو لی نے
 ہر آن خوشی سے آپس میں سب شمس منس رنگ چھڑکتے ہیں
 رخسار گلالوں سے گلگوں لپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
 کچھ راگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام جھلکتے ہیں
 کچھ کو دے ہیں کچھ اچھلے ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
 یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہو لی نے

محاکات کے لغوی معنی تو یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو بے زیادت
 و بے کم و کاست بیان کر دیں مگر نزع بعض محاکات کے یہ معنی ہیں کہ کسی
 کیفیت یا حالت کو اس طرح بیان کریں کہ حقیقت سے تجاوز و انحراں
 نہ ہو۔ بہر حال نظیر محاکات کا بادشاہ ہے۔ یہی نہیں کہ اس کا بیان تصنع
 و تکلف سے پاک ہے بلکہ وہ ایسی پتے کی باتیں بتاتا ہے کہ اصل و لفظی
 نقل میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ اکبر آباد میں نہر جمین کی حالت
 وہ یہ دکھاتا ہے۔

نہر جمین کو دیکھو تو جیسے جمین کی نہر لاٹھو بہاریں رکھتی ہے ایک ایک سکی لہر
 کوئی نہاؤں اور کوئی منہ دھوئے شاد ہر اس پر نجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان نہر
 شمشاد و سرو ہوتے ہیں جو نہر پر عیاں
 روضہ تاج گنج کی تعریف میں کہتا ہے۔

روئے زمین پر یوں تو مکاں خوب ہیں مہیا
پر اس مکان کی خوبیاں کیا کیا کڑوں بیا
سنگ سفیدت جو بنا ہے قمر نشان
ایسا چمک رہا ہے بجلی سے یہ مکان

جس سے بلور کی بھی چمک شمسار ہے
گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو اس پاس
برسوں تک اسمیں رہتے تو ہوتے نہ جی اداس
وہ بھی بزرگ سیم چمکتے ہیں خوش اس
آتی ہے ہر طرف سے گل یا سمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہیں سج میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یا
گردان کے جالی اور چھپے در نشان
سنگیں گل جو اس میں بنائے ہیں نشان
پتے کلی سہاگ رنگ و رنگا ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جو اہر نگار ہے

اگرہ کی تیراکی کی کیفیت وہ یہ دکھاتا ہے ۵

کتے کھڑے ہی پیریاں پنا دکھا کے سینہ
سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ
سردوں کا بہ چلا ہے گویا لاک قرینہ

دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں

اس اگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں ان میں کتنے پانی پہ صفا سوتے
کتوں کے ہاتھ نچرے کتنوں کے سر پٹوتے
کتے پتنگ اڑاتے کتنے سوئی پروتے
حقوں کا دم لگاتے ہنس سسکے شاد ہوتے

سو سو طرح کا کر کے بستار پیرتے ہیں

اس اگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

نظم ہر مذہب کے بزرگوں کا احترام کرتا ہے۔ اس نے بزرگوں کی شان

میں جو نظمیں کہی ہیں۔ اُن کے لفظ لفظ سے حسن ظن ظاہر ہوتا ہے۔
 گنہیا جی کے جنم کے متعلق اُس نے جو نظم کہی ہے اُس سے معلوم ہوتا
 ہے کہ وہ ہندو مذہب کی ایک ایک بات سے واقف تھا اور واقفیت
 کے ساتھ وہ ایسی قدرت بھی رکھتا تھا کہ ان باتوں کو من و عن نظم
 کر سکا۔ اس نظم میں عروص کی غلطیاں تو ضرور ہو گئی ہیں مگر اس بندہ کی
 کیفیت تعریف اسے مستغنی ہے۔

اب نند کے گھر کی بات سنو داں ایک اچنچا یہ ٹھہرا
 رات کو جنمی تھی لڑکی اور بھور کو دیکھا تو لڑکا
 گھڑ نالیں چوڑیں ناچ ہوا اور نوبت کا غل شور مچا
 پھر کشن گرب نے نام رکھا سب کنبے کے مل بیٹھے آ
 نہ را در حبودا اور کوات کرنے داں ہر پھر لگے
 پکوان سٹھائی میوے کے ہزار ی آگے ڈھیر لگے
 سب ناری آئیں گوگل کی اور پاس پر دس آبیٹھیں
 کچھ دھول مجیرے لاتی تھیں کچھ گریٹ جچلے کے گاتی تھیں
 کچھ ہر دم مکھ اس باکا کا بلہاری ہو کر دیکھ رہیں
 کچھ سوٹھ سٹھورا کرتی تھیں کچھ تھال پنچیری کے رکھتیں
 کچھ کہتی تھیں ہم بیٹھے ہیں نیگ آج کے دن کا لیسکو
 کچھ کہتیں ہم تو آئے ہیں آسنہ بدھا وادیث کو
 کوئی ٹھسی بیٹھی گرم کرے کوئی ڈالے اسپند اور بھوسی

کوئی لائی ہستی اور کھڑوے کوئی کرتہ ٹوپی میوہ تھی
 کوئی دیکھے روپ اس بالک کا کوئی ہانتھا چوے مہر بھری
 کوئی کرے تعریف بھوؤں کی کوئی آنکھوں کی کوئی پلکوں کی
 کوئی کہتی عمر بڑی ہو دے اسے پیر تھا دے بالے کی
 کوئی کہتی بیاہ ہوا داس اس مرادوں والے کی
 کوئی کہتی بالک خوب ہوا اے بہنا تیری نیاک رتی
 یہ بالے ان کو ملتے ہیں جو دنیا میں ہیں بڑھ بھاگی
 اس کہنے کی بھی شان بڑھی اور بھاگ بڑھے اس گھر کے بھی
 یہ باتیں سب کی سن سنکر خوش ہو کے جسودا کہتی تھی
 اے پیر یہ بالک جو ایسا اب میرے گھر میں جما ہے
 کچھ اور کہوں میں کیا تم سے بھگواں کی تو پر کر رہے
 تھی کوئے کوئے خوش وقتی اور طبلے مال گھنگھٹے تھے
 کوئی ناچ رہی کوئی کو درہی کوئی ہنس ہنس کے کچھ روپ سجے
 ہر چار طرف آندیں تھیں داں گھر میں نذر جسودا کے
 کچھ آنکھیں بچے برا بے تھیں کوئی بیٹھی کوئے کوئی چھپے
 سو خوبی اور خوش حالی سے دکھلائی تھی سلمان گھری
 سچ بات ہے بالک ہونے کی ہے دنیا میں آند بڑی
 بکھر اور خوشی کی بات ہوئی جب ریت ہوئی دو کاندوں کی
 رکھوائی دودھ کی مٹکی بھر اور ڈال دی ہلدی بہتیری

یہ اس پر پھینکے بھر بھر کر وہ اس پر ڈالے گھڑی گھڑی
کوئی پوچھے کچھ اور باہن کو کوئی سگری بھیک لی اور تھری
اس دودھ کی بھی رنگت لیوں میں پیا در ہونہاری کا
اور تن کے ابرن یوں بھیکے جو رنگ ہو کیسر کیاری کا

نظیر نے ایک نظم کرشن جی کی بانسری کی تعریف میں کہی ہے مگر وہ
بہت ہی کمزور ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ کنھیا جی کے جہنم اور بانسری کے غنائوں
سے جو نظمیں ہیں وہ ہندی رسم الخط میں چھپتیں اور ہندی کی نظمیں بھی
جانتیں۔ ایسی نظموں کو اردو نظمیں سمجھنا اردو شاعری کو پست کرنا اور
نظیر کو بدنام کرنا ہے۔ محاکات کے اعتبار سے چاہے وہ چھ ہی ہوں
مگر شاعرانہ افلاطون کے لحاظ سے دونوں اردو کی بدترین نظمیں ہیں۔ نانک شاہ
گرو کی تعریف میں جو نظم ہے اس کا یہ حال تو نہیں مگر اس سے صرف وہی
لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو پنجابی زبان کے ذوق رکھتے ہیں بچہ بھی
حسن ظن کا انہماک جن الفاظ میں کیا گیا ہے وہ مستحق توصیف ہیں پہلا
بندیہ ہے

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں وہ پورے ہیں آگاہ گرو
وہ کمال رہبر ہیں جگ میں یوں روشن جیسے ماہ گرو
مقصود مراد امید بھی بر لاتے ہیں دلوں کو گرو
نت لطف و کرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کو تر باہ گرو
اس بخشش کے اس عطیہ کے ہیں بابا نانک شاہ گرو

سب سب سے نوا اور اس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

حضرت سلیم چشتی کی شان میں جو نظم ہے وہ نظیر کی مدحیہ نظموں میں
 بہت اچھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظیر شیعہ ہونے پر بھی اہل سنت
 کے جذبات کو بخوبی سمجھتا ہے اور ان جذبات کا اظہار اس طرح کرتا ہے
 کہ اس کے شیعہ ہونے کا گمان کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نظم میں
 الفاظ بھی ایسے استعمال کئے گئے ہیں جن سے بہتر اب عظمت و بزرگی
 ثابت کرنے کو مل ہی نہیں سکتے۔ کہتا ہے ۵

ہیں دو جہاں کے سلطان حضرت سلیم چشتی عالم کے دین و ایماں حضرت سلیم چشتی
 سر دفتر مسلمان حضرت سلیم چشتی مقبول خاص یزداں حضرت سلیم چشتی
 سردار ملک عرفاں حضرت سلیم چشتی

ملا کاشی نے جناب امیر کی مدح میں کہا ہے ۵
 السلامے سایات خورشید رب العالمین آسمان عز و تمکین آفتاب داد و دیں
 نظیر حضرت سلیم چشتی کی مدح میں کہتا ہے ۵
 چشم و چراغ ہو کلام اجملہ مومنین کے روشن ہیں تم سے پردے سب آسمان زمیں کے
 بیشک ضیاء دل ہو ہر صاحب یقین کے ذرہ نہیں تفاوت تم آسمان ہودین کے
 ہو آفتاب رخشاں حضرت سلیم چشتی

نظیر نے حضرت علی علیہ السلام کا ایک معجزہ بھی نظم کیا ہے۔ چونکہ وہ شیعہ
 تھا اور جناب امیر سے عقیدہ متندی اس کا مذہب کھٹی اس نے اس
 نظم میں اظہار و لائحہ اس طرح کیا ہے کہ پڑھنے والے مبہوت ہو جاتے

ہیں۔

قصہ یہ بیان کیا ہے کہ ایک دولت مند شکار کھیلنے کسی جنگل میں گیا جو ایک شیر اور شیرنی کا مسکن تھا۔ شیرنی نے دو بچے دے دیے تھے جنہیں اتفاق سے وہ اس وقت دودھ پلا رہی تھی۔ مگر دولت مند کی بندوبست کی آواز جو سنی تو شیرنی اور شیر دونوں بھاگ گئے اس دولت مند کی نظر بچوں پر پڑی اور وہ انہیں اٹھا لایا۔ اس کے جانے کے بعد شیر اور شیرنی دونوں واپس آئے تو انہوں نے اپنے بچوں کو نہ پایا۔ اس پر شیر تو رنج سے غش کھا کر گر پڑا اور شیرنی روتی دھوتی جناب امیر کے روضہ اقدس کی طرف فریادی بنکر چل کھڑی ہوئی۔ جب نجف اشرف میں پہنچی تو لوگ اس کو دیکھ کر ڈرے مگر وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہوئی اور روضہ اقدس میں حاضر ہو کر فریاد کرنے لگی۔ شریف نجف نے شیرنی کی یہ گریہ وزاری دیکھی تو اس نے جناب مقدس میں حسب دستور قدم عرض معروض کی جواب یہ ملا کہ دوسرے دن حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔ رات کو سوتے میں اسے حکم دیا کہ کل دونوں بچے نجف اشرف کو بھیج دے اس دولت مند نے عرض کی کہ نجف اشرف تو یہاں سے پندرہ دن کی راہ ہے۔ ارشاد ہوا کہ دونوں بچے شہر کی آبادی کے باہر بھیج دے۔ وہاں ایک تاقہ اور ایک سوار ظاہر ہو گا۔ وہ بچوں کو نجف اشرف لے جائیگا اس دولت مند نے حکم کی تعمیل کی اور بچے روضہ اقدس میں دوسرے

دن پہنچ گئے۔ شیرنی نے بچوں کو دیکھا تو اُسی طرح پیار کرنے لگی جس طرح آدمی اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ اور بچے بھی ماں سے اسی طرح ملے جس طرح چھڑے ہوئے ملا کرتے ہیں۔ پھر شیرنی اپنے بچوں کو لیکر سات دفعہ روضہ اقدس کے قصد ہوئی اور اپنے مسکن کو واپس گئی۔
اب کون ایسا ہے کہ ان بندوں کو پڑھے گا اور اس کے دل پر چوٹ نہ لگے گی اور آنکھوں میں آنسو نہ بھر آئیں گے ۵

جب گئے شیر و شیرنی باحالت تنہا اور دونوں بچے بن میں نہ آئے انھیں نگاہ وہ شیر کھا کے غش گرا اک بار کر کے آہ اور شیرنی نے لی بخت شرف کی اں سے راہ سر پستی چلی وہ بیا باں سے سو گوار

جس دم وہ پہنچی حیدر صدر کے در تلک در بان اس کے خوف سے یکسر گئے سرک داخل ہوئی وہ روضہ اقدس میں یک روئے لگی وہ سامنے سر کو ٹٹک پٹک آنسو کی دونوں آنکھوں سے بہنے لگی قطار

آنکھوں سے اس کی آنسو کی ندی جو بہتی تھی بچوں کا داغ اپنے گلے پہ سہتی تھی کچھ مُنہ سے شور کرتی تھی کچھ دیکھ رہی تھی گویا وہ غصہ سے اپنی زباں میں کہتی تھی بچے مرے دلائے یا شیر کردگار

روتی تھی یوں وہ شیرنی آنسو بہا بہا مظلوم جسے روئے سے عادل کے پاس آ اور کچھ زباں سے اپنی سنائی تھی نخبنا نکلتے تھے آغا آغا کی مُنہ اس کے سے صدا کہہ آغا آغا درد سے روتی تھی زار زار

فریادی بنکے ساتی کوثر کے سامنے محتاج بن کے صاحبِ قنبر کے سامنے

یوں دیکھتی تھی روضہ انور کے سامنے مظلوم جیسے آن کے داور کے سامنے
 کرتا ہے اُس کے حکم کا رہ رہ کے انتظار
 اس کے بعد جب بچے واپس لائے گئے ہیں تو شیرنی کی یہ حالت

ہوئی ہے ۵

بچوں کے آنے کے جب غاموئے گرد وہ شیرنی بھی تکیے لگی اپنے منہ کو موڑ
 جب لائے اُس کے سامنے بچے دئے وہ چھوڑ یوں خوش ہو چائے لگی الفت کی گرجھوڑ
 انسان جیسے کرتا ہے بچوں کو اپنے پیار

بچے بھی دوڑماں کے گلے سے لپٹ گئے یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے
 جھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جادو دھکے لگے اس شیرنی کے جیسے کلجے میں داغ تھے
 ویسی ہی اس کے منہ پہ خوشی کی ہوئی بہار

جب اس کے بچے آئے تو پھر سو کے شاد ہا بچوں سمیت اٹھ کے وہ جان بے زباں
 رخصت کے سات بار صدق ہوئی وہاں اور آستانہ چوم ہوئی وال سے وہ رواں
 جا پہنچی اپنے دشت میں خوش ہوئی بار بار

کو آ اور ہرن کا بچہ - نظیر کی وہ نظم ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ
 وہ اعلیٰ درجے کا افسانہ نگار ہے۔ اگرچہ اس نظم کی زبان ڈیڑھ سو برس
 اُدھر کی ہے پھر بھی سلاست اور روانی قابل رشک ہے۔ کس مزے
 سے لکھا ہے ۵

اک دشت میں سنا ہے کاک خوشیا ہرن بچہ ہی تھا ابھی نہ ہوا تھا بڑا ہرن
 پھر تا تھا چو کڑی کا دکھاتا ہرن دیکھا جو ایک کو سے نے وہ خوشیا ہرن

دل کو نہایت اس کے وہ اچھا لگا ہر

اس نظم سے اخلاقی نتیجہ یہ نکالا ہے

گیڈرنے اُس ہرن کا جو چیتا تھا وان پانی اُسی نے اپنی بدی کی وہیں سزا
نظیر کا سا وسیع النظر شاعر اور وہیں کوئی نہیں ہوا۔ وہ کسی چیز کو
سرسری طور پر نہیں دیکھتا بلکہ آنکھیں کھول کر اس طرح دیکھتا ہے
کہ ماہیت آئینہ ہو جاتی ہے۔ چونکہ زبان پر اُسے قدرت نامہ ہے
وہ دیکھنے کے بعد بال کی کھال نکال دیتا ہے۔ کورا برتن کس نے دیکھا
ہوگا۔ اُس میں پانی کس کے سامنے نہ بھرا گیا ہوگا بسنا ہٹ کی
آواز کس کے کانوں تک نہ پہنچے گی۔ سوندھی سوندھی بو کس نے
نہ سونگھی ہوگی۔ مگر ان سب کا نظم کرنا کوئی آسان بات نہ تھی
اس لئے نظیر کے سوا اور کسی شاعر کو نظم کرنے کی جرأت نہ ہوئی وہ
کہتا ہے

کورے برتن میں کیاری نگلشن کی جس سے کھلتی ہے ہر کلی بن کی
بوند پانی کی ان میں جب کھٹکی کیا وہ پیاری صدایے سن سن کی

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے وہی آنے کے مول کو لی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے کیا کہوں گولی گولی گولی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے آب موتی کی پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے دوستو یہ بھی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

نظیر نے ایک نظم ریچھ کا بچہ بھی لکھی ہے۔ اس سے اُسکا قادر الکلام
ہونا تو ضرور ثابت ہوتا ہے مگر کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔
معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ ریچھ کے
بچے کی کشتی دیکھ کر نظیر سے نظم کرنے کی خواہش کی گئی ہوگی اس نے
نظم کر دی ہوگی۔ اس میں بھی عیوب شعری موجود ہیں۔ پھر بھی اس بند

کی اے ساختگی تعریف چاہتی ہے

جھکے وہ جھکتے تھے پڑے جن پر کرن بھول
مقتضیٰ کی لڑیوں کی پری پٹھا اور بھول
اور ان کے سو کتنے بٹھائے تھے جو گل بھول
یوں لوگ گئے پڑے تھے سر پاؤں کی سہ بھول

گویا کہ پری تھا وہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

ہنس نامہ نظیر کے آیات کمال میں سے ہے۔ اردو میں کوئی تمثیلی نظم
اس پائے کی نہیں۔ شاعر یہ دکھانا چاہتا ہے کہ آدمی دنیا میں چاروں
کا مہمان ہوتا ہے۔ ساتھ والے اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں مگر جب
دنیا سے سفر کرتا ہے تو قبر کے کنارے ہی تک اُس کا ساتھ دیتے
ہیں۔ آگے نہیں جاتے۔ اسے تمثیلی صورت میں نظیر اس طرح لانا ہے

آیا تھا کسی شہر میں اک مہنس بچا را
 رہتے تھے بہت جانور اس سڑکے اوپر
 سب ہو کے خوش اُس کی مٹے الفت لگے پینے
 ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے
 اک پیر چنگل کے ہوا اُس کا گزارا
 اُس نے بھی کسی شاخ پہ گھرا پنا سوارا
 اور پیت سے ہر ایک سے واں بھرتے سینے
 اس مہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے

اک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ چکا را

یاں لطف و کرم تھے کئے ہم یہ ہیں جو جو
 تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہو وے تو بخشو
 تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیان ہو
 لو یارو ہم اب جاوینگے کل اپنے وطن کو

اور تم کو مبارک رہے یہ پیر تمھارا

اس بات کے سنتے ہی جو سڑک کے اڑنے پر
 بن دیکھے تمھارے ہیں کب چین پڑینگے
 سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا
 اک آن نہ دیکھیں گے تو دل غم سے بھرینگے
 ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمھارے ہی چلینگے
 گر تم نے یہ ٹھہرائی تو کیا سکھ سے رہینگے

یہ درد تو اب ہم سے نہ جاوے گا سہارا

اس میں جو ہوئی کوچ گی وہ صبح نمودار
 دیکھا جو اُسے جاتے ہوئے ہیں تو گراہ
 پراپنا ہوا پروہیں اُس مہنس نے مارا
 سب ساتھ چلے اُس کے ہمراز دہوا خواہ

ہر ایک نے اڑنے کے لئے پنکھ پسا را

دو کوس اڑے تھے کہ ہوئی ماند گی غالب
 کچھ بن نہ سکے ان سے رفیق کے جو واں کار
 پھر پر میں کسی کے نہ رہا قوت و یارا
 اور اتنے اڑے ساتھ کہ کچھ ہوئے نہ اظہار
 کوئی یاں رہا کوئی واں رہا کوئی ہو گیا ناچار
 جب دیکھی وہ مشکل تو پھر آخر کے تئیں ہار

کوئی اور اڑا آگے جو تھا سب میں گرا را

تھی اُس کی محبت کی جو ہر ایک نے پیئے
جب ہو گئے بے بس تو پھر آخر یہ ہوئی رے
سمجھے تھے بہت دل میں وہ الفت کو بڑی شے
چیلےیں رہیں کوئے گئے اور باز بھی ٹھاکے

اس پہلی ہی منزل میں کیا سب نے کٹارا
دنیا کی جو الفت ہو تو اُس کی ہے یہ کچھ راہ
جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہو تر باہ
نا چاری ہو جس جا میں تو وہل کچھ کیا چاہ
سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھ تھی تھر تھیرا

آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا
لفظ نے غزلیں بھی کہی ہیں۔ اور تغزل کے اعتبار سے بھی وہ اُردو کا
بہترین شاعر ہے۔ اس کے یہ اشعار لا جواب ہیں۔

آغوشِ تصور میں جب ہم نے اُسے مسکا
اُدھر اُسکی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا
لہما نے نراکت سے آگ شور تھا بس بس کا
دل ہوا جس دن سے بسمل بروئے دلخواہ کا
ادھر مرنا تر پنا غش میں آنا وہم الٹ جانا
تھا وہی پہلا دن اس تسمل کی بسمل شد کا

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغیاں اپنا
بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا
ہم وہ درخت ہیں کہ جسے دم بدم اہل
آرہ ادھر دکھاتی ہے ادھر تبرقنا

ہوا جو اُس کا وہ کوچہ چین سرشت نصیب
خدا نے ہم کو اُسی جا کیا بہشت نصیب

دل سا دیرِ تہم بکا کوڑیوں کے مول
فتمت میں اگر بیماری یہ ہے تو ساقیا
کیا کیجے خیر یہ بھی خریدار کے نصیب
بے اختیار آپ سے شیشہ کو لگا جست
بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتا تو غضب تھا
صد شکر کہ ہے کاتبِ تقدیر کوئی اور

سرشتیہ بقا سے ہرگز نہ آب لاؤ حضرت خضر کہیں سے جا کر شراب لاؤ
 عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
 دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے
 کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
 اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے



بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتخاب کلام نظیر

رہے نام اللہ کا

دنیا میں کوئی خاص کوئی عام رہیگا نہ صاحب مقدر نہ ناکام رہیگا

زردار نہ لے زرد نہ بد انجام رہیگا شادی نہ غم گردش ایام رہیگا

نہ عیش نہ دکھ درد نہ آرام رہیگا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

لے عالم ارواح سے تمام جنات انسان پری حور و ملک جن جنات

کیا ابرو کھو جھگل و کوہ ارض و سموات اک پھونک میں اڑ جائیگے جوں نقش طلسمات

مستور نہ مشہور نہ گمنام رہیگا

آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختاری کے خسرو سے جو کرتے ہیں سدا کام یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کئی دم

جب اُس کے فنا ڈالے گی اک گردش ایام اک آن میں اڑ جائے گا ہر چیز کا الزام

مختار نہ مجبور نہ خود کام رہیگا
 آحسرو ہی اللہ کا اک نام رہیگا
 اہل میں سے اپنے جو کہاں تھے اغیار
 سو مارو دنیا کرتے ہیں اگان میں تیار
 جب آئے فنا و الیگی سر کے اوپر نگ وار
 اور وار کے لگتے ہی یہ ہو جاوینگے سب پار
 نے نکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہیگا
 آحسرو ہی اللہ کا اک نام رہیگا
 جھگڑا نہ کیے ملت و نہد رہیگا کوئی یاں
 جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آن
 زنا رگلے یا کہ بغل بیچ ہوتے آں
 عاشق تو قلندر ہیں نہ ہندو نہ مسلمان
 کا فتنہ نہ کوئی صاحب اسلام رہیگا
 آحسرو ہی اللہ کا اک نام رہیگا
 بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک خیر کار و دار
 آگے بھی دوکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
 جس طور کا اب چاہئے کر تجھے بیوپار
 پھر جنس نہ دلال نہ مالک نہ خریدار
 نے نقد نہ کچھ قرض نہ کچھ وام رہیگا
 آحسرو ہی اللہ کا اک نام رہیگا
 اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارت
 یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لکھ کے محلات
 کیا پست مکان کیا یہ ہوا درمکانات
 اک اینٹ بھی ڈھونڈو گھر کہیں آنکی نہیں ہا
 دالان نہ حجرہ نہ در و باہر رہیگا
 آحسرو ہی اللہ کا اک نام رہیگا
 یہ بانع و چین اب جو ہر اک جا میں ہے پھول
 یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات یہ پھل پھول

آجاوے گی جب باخراں نکلاو پر پھول ہر خاک کی ہر پھول کی اڑ جاوے گی ہر پھول

لے زرد نہ مٹے رخ اور نہ سیہ فام رہیگا

آخسر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

یہ عاشق معشوق جو کرتے ہیں ہم چاہ آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے اللہ

وہ شخص کہاں جاتے رہے عمر کے اللہ اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی آہ

نہ عشق نہ عاشق نہ دلا رام رہیگا

آخسر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

ٹپک غور کرو اب کہاں محبوں کہاں فریاد بیانی کہاں شیریں کہاں وہ ناز و نیاز

جو پھول کھلے واہ وہ سب ہو گئے فریاد ہم تم بھی غنیمت ہیں سن اویار پر نیاز

واں حسن نہ یاں عشق کا ہنگام رہیگا

آخسر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

یہ شمع کو غزل اب جو بناتے ہیں زبانی آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی

دیوان بنا یا کوئی قصہ کہ کہانی کچھ باقی نظیر اب نہیں سب چیر بھرائی

خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہ نام رہیگا

آخسر وہی اللہ کا اک نام رہیگا

خدا کی نعمتیں

یہ نعمتیں عیاں ہیں جو عالم کے واسطے ہیں گی یہ سب عیاں ہیں آدمی کے واسطے

کچھ تن کی واسطے ہیں کچھ شکم کے واسطے ہیں بیش بیش کے لئے کم کم کے واسطے

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے

اور دم بنایا ہے آہ فقط غم کے واسطے

مطبوعہ گل غدار پری زاد سرخ قلم
مطبوعہ مطرب شراب ساقی و مینا عسری جام
ناز و ادا و چوچلے دولت کی دھوم دھام
مستی نشاط و عشرت و عیش و مطرب مدام

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے

اور دم بنایا ہے آہ فقط غم کے واسطے

اسباب عشرتوں کے ہیں جتنے یہاں نہ لے
گلداران پانداران عطر دان زرفشاں
مستحق چمکتے ہیں اور نیچے پیچواں
مشاک و گلاب عطر و چین باغ و بوستاں

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے

اور دم بنایا ہے آہ فقط غم کے واسطے

جتنے جواہرات ہیں سرخ و سفید لال
یا قوت لعل بینی و نیلم فلک مثال
فیروزہ مونگاموئی و پھرج خوشحال
زریم فوج حشمت و املاک و کنج و مال

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے

اور دم بنایا ہے آہ فقط غم کے واسطے

میوے ہیں جتنے خشک تر اس باغ میں لگے
یا دام پستے واکھ چھوہائے وکھوپرے
خربوزے آم جامن و لیموں چکوتے
نارنگی و انار بھی کو لے سنگترے

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے

اور دم بنایا ہے آہ فقط غم کے واسطے

دنیا میں جتنے لوگ ہیں کیا شاہ کیا فقیر
سب سکھ میں ہیں پر ایک نہ الٹکھ میں ہر سیر

کیا عشرتیں بہار کی کیا عیش دلپذیر جن جن کا تم نے نام لیا سب میاں نظر
 سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
 اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

آدمی

دنیا میں پادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 ٹکڑے چبار ہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 ابدال قطب غوث ولی آدمی ہوئے منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
 کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کئے اتنے کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
 خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا شدا د بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
 مکر و د بھی خدا ہی کہاتا تھا پر ملا یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
 یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہے نور یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
 ہے آدمی کا حسن میں اور قبح میں ظہور شیطان بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
 اور ہادی رہتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
 قرآن آدمی ہی پڑھیں اور نمازیاں اور آدمی ہی اُن کی چراتے ہیں جوتیاں

جوان کو تار تار ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے بے آدمی اور آدمی پہ تیغ کو مارے بے آدمی
پکڑی بھی آدمی کی اُنٹا ہے بے آدمی چلا کے آدمی کو پکارے بے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر بولے کے مال اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلہ ڈال
یاں آدمی ہی صبر ہے اور آدمی ہی جال سچا بھی آدمی ہی کلتا ہے ہیرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی ہی بیاہ قاصی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تا ہے بجائے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ دوڑے ہیں آدمی ہی تو مشعل جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے بے بار بار اور آدمی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑے بغل میں مار کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑنے کمار
اور اس میں جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ چونچا
کنتا ہے کوئی لو کوئی کنتا ہے لارے لا کس کس طرح سے چپیں ہیں چیریں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں ٹھوگھور اور آدمی ہی دیکھ اُنھیں بھاگتے ہیں دوڑ
چاکر غلام آدمی اور آدمی مزور یاں تک کہ آدمی ہی اٹھانے ہیں جانور
اور اس سے جو پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و چراہر ہیں بے بہا اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
 کالا بھی آدمی ہے کہ اٹکا ہے جوں تو گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا ہے چاند کا
 بد شکل بد نما ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ ذرق برق ہیں روپے کے انکے پانوں میں سونیکے فرق میں
 جھکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں کجواب تاش شال و شالو نہیں غرق ہیں
 اور پتھروں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 مرتے ہی آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار نہلا و دھلا اٹھاتے ہیں کل ندھے پہ کر سوار
 کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار سب آدمی ہی کرتے ہیں مردیکے کاروبار
 اور جو کہ مہر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 اشرف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر یہ آدمی ہی کرتے ہیں سب کام و پذیر
 یاں آدمی مرید ہے اور آدمی ہی پیر اچھا بھی آدمی ہی کہا تا ہے اے نظیر
 اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

پیٹ

کرنا ہے کوئی جو روحنا پیٹ کے لئے سہنا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لئے
 سیکھا ہے کوئی فکر و دعا پیٹ کے لئے پھرتا ہے کوئی بے سرو پا پیٹ کے لئے
 جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کے لئے
 عاجز ہیں اس کے واسطے کیا شاہ کیا وزیر محتاج ہیں اسی کے لئے بخشی و امیر
 فتنی و کیل یا لچھی متصدی و مشیر چاکر و نذر غلام تو نگر غنی و فقیر

سب کر رہے ہیں فکر سدا پیٹ کے لئے

صرف خور و لے سے لگا سیٹھ سا ہو کار
دلال جو بھری و کناری کے پیشہ دار
پنساری و برا زانا جوں کا کار و بار
بیوپار لین دین پنج قرص اور ادھار

سب نے ٹھٹھکا یہ کیا پیٹ کے لئے

اب خلق میں ہیں چھوٹے بڑے عتے پیشہ ور
سیکھے اُسی کے واسطے سب کسب اور
صحافت جلد ساز مچھی کمان گر
زیں دوز گل فروش بساطی سفال گر

بیٹھے ہیں سب دوکان لگا پیٹ کے لئے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصالے بچھا بچھا
جھے پن کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا
واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانبر کا دعا
عابد بھی دعوتوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دعا پیٹ کے لئے

کیلئے ساز کام کے اور کیا مرصع کار
حکاک کیا مصور و نقاش زر نگار
دیکھتا تو نہ سنار کوئی اور نہ اب لہار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار

پیشہ ہر اک نے سیکھ لیا پیٹ کے لئے

گندھی کے مغز میں بھی یہی رہی ہے بو
کھینچے ہے جب گلاب نکالے ہے عطر دو
شیشی کسی کو سینک کی بھونکے کسی کو دو
ہر دم چھڑک گلاب لگاتن سے عطر کو

لیٹیں ہر ایک ہی کو سنگھاپیٹ کے لئے

رنگرزی بیٹھے رنگتے ہیں رنگت ہزار ہا
سرخ و گلانی زر و سیمہ سبز دھار ہا
تخل ہے کوئی کوئی ہے شروع کٹار ہا
جنگل میں جا کے دیکھتا تو اس جا بھی نہار ہا

نت خاک چھانتا ہے پڑا پیٹ کے لئے

بدنام ہے اسی کے لئے خلق میں کمال
ذباہ بھی کرے ہے اسی کے لئے حلال
صیاد بھی اسی کیلئے لے چلا ہے جال
تھک بھی اسی کی واسطے چھانسی گلوں وال
ہر وقت گھوٹتا ہے گلا پیٹ کے لئے

ٹکھٹ اچکے چور دغا باز راہ مار
عیار حبیب کترے نظر باز مویشیار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار
بلی بھی بارتی ہے چھا پیٹ کے لئے

بانگاسپا ہی خوب شجاعت ہیں بے جگر
وہ بھی اسی کے واسطے لے تیغ اور تبر
لڑتا ہے تیغ و تیر نفسلوں میں آن کر
کھاتا ہے زخم خون میں ہوتا ہے تر
آخر کو سر بھی دے ہے کٹا پیٹ کے لئے

فاصل کے فصل میں بھی اسی کی ہے اتجا
عابد سنجومی کا بھی اسی پر ہے مدعا
ملا بھی دن گزارے ہے لڑکے پڑھا پڑھا
شاعر بھی دیکھے تو قصیدے بنا بنا
کیا کیا کرے ہے وصف و ثنا پیٹ کے لئے

قاضی کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ
مفتی کے قصہ کی بھی یہ شاید ہے خواجوا
بیدار و عیسم کی بھی اسی پر ہے اب نگاہ
خطا ر کے بھی درد کو دکھا تو وہ بھی آہ
دن رات کو تڑپے و واپیٹ کے لئے

قرآن اب جو پڑھتے ہیں وہ دوں کا لیکے نام
پھولوں میں مٹھ کر تے ہیں سچ آئیں تمام
دوزخ میں یا بہشت میں ہر دیکھا ہو مقام
کچھ ہو پران کو حلوسے و مانڈے سے اپنے کام
خوش ہو گئے جب ان کو ملا پیٹ کے لئے

اُفت کسی کے دل میں کسی میں پڑا ہے ہیر
مالے کوئی حرم کو کوئی پوچتا ہے دیر

نکھانے کی ساری دوستی کھانسی کی ساری سر
کتاب ہے اب فقیر بھی دیکر دعا ہے خیر
بابا چھ آج مجھ کو دلا پیٹ کے لئے

لاکھوں نہیں کوئی سے ہے محبت سے حق کا نام
در نہ سب اپنے پیٹ کے ہیں کلیم اور کلام
نہ عاقبت کی فکر نہ راہ خدا سے کام
سچھے نہ کچھ حلال نہ جانا ہے کچھ حرام
جو جس سے ہو سکا سو کیا پیٹ کے لئے

جیتے ہیں اب جہان میں کم ذات یا اہل
سربا اپنے اپنے پیٹ کی کرتے ہیں قاتل
شیر و بلی گٹر گریں چوٹی و فیل
کو اب شیر ہنس گھر باز گدھ و چیل
سب ڈھونڈتے پھرے ہیں خدا پیٹ کیلئے

جس کا شکم کھرا ہے وہ ہنستا ہو جیسے بھول
خالی ہے جس کا پیٹ وہ روٹا ہے ہو ملول
جب تک نہ اس گھر میں پڑے کے خاک و غول
سو جھے دھرم نہ دین نہ اللہ نہ رسول
جو جو کوئی کرے سو کیا پیٹ کے لئے

تروار مالدار گدا شاہ کیا وزیر
سر دار یا غریب تو نگر ہو یا فقیر
ہر دم سچو کو دیکھ اسی حال میں اسیر
اپنی یہی دعا ہے شب و روز اے نظیر
دے شرم و آبرو سے خدا پیٹ کے لئے

اظہارِ حال

آئے گے واسطے ہے ہوس ملک مال کی
آئے ہی وال سے ہے دستی خیال کی
اظہار پاکی ہے تو ہے وال ناکی
اس سے ملی ہے خوبی جو ہے حال قال کی
سب چھوڑو بات خطوطی و پدڑی و لال کی

یار و کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

اس آٹے دال ہی کا جو عالم میں یہ طور اس سے ہی منہ پہنوں ہے اور پیٹ میں سرو
اس سے ہی آگے چڑھنا ہے چہرہ پہنوں شاہ و کد امیر اسی کے ہیں سب ضرور

سب چھوڑو بات طوطی ویدری ولال کی

یار و کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

شہری نے کیا ہوا جو کیا حق سرہ اور فاختہ بھی بیٹھ کے کہتی ہے قہقہو
وہ کھیل کھیلو جس سے ہو تم جاگ میں سرخرو سنتے ہو اسے عزیز و اسی سے ہے آبرو

سب چھوڑو بات طوطی ویدری ولال کی

یار و کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

آٹلے جس کا نام وہی خاص نوز ہے اور دال بھی پری ہے کوئی یا کہ جو ہے
اسکا بھی کھیل کھیلنا سب کو ضرور ہے سمجھے جو اس سخن کو وہ صاحب شعور ہے

سب چھوڑو بات طوطی ویدری ولال کی

یار و کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

چھ پیسوں کے جو عشق میں دل کو لگاؤ گے تو پیٹ بھر کے کھاؤ گے کپڑے بناؤ گے
طوطی کو پال کر کے حق اللہ پڑھاؤ گے ناحق کو سر کھپاؤ گے کوڑی نہ پاؤ گے

سب چھوڑو بات طوطی ویدری ولال کی

یار و کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

جن کے ہیں چار پیسے وہی ہیں ہیاں امیر اور جن کے پاس کچھ نہیں وہ ہیں بے فقیر
اور جتنے پیشہ ور ہیں یہاں خرد اور کبیر روٹی کا سلسلہ ہے برا کیا کہوں نظیر

سب چھوڑو بات طوطی ویدرئی لال کی
یار و کچھ اپنی منکر کرو اٹا دال کی

اٹا دال

کیا کہوں یار میں نقشہ خلق کے احوال کا
یہ بیاں تو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا
اہل دولت کا چلن یا مفلس و گنگال کا
کیا تو فکر کیا غنی کیا پس اور کیا بال کا

سب کے دل کو فکر ہے و نرات آئے دال کا
گرنہ آئے دال کا انیشہ ہو تا سدا راہ
تو نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
ساکھ آئے دال کے ہے چشمست و فوج و سیاہ
سب کے دل کو فکر ہے و نرات آئے دال کا

گرنہ آئے دال کا ہو تا قدم یاں میاں
جاگتے دربار میں کیوں آدھی رات باں
منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب خاں
کیا عجب نقشہ پڑا ہے آہ کیا کہنے میاں
سب کے دل کو فکر ہے و نرات آئے دال کا

اپنے عالم میں یہ اٹا دال بھی کیا فرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے منہ زرد ہے
حسن کی آن واداس سب کے آگے گرو ہے
تا کی کہئے کہ کیا وہ مرد کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے و نرات آئے دال کا

دلبروں کے چشم ابرو زلف کیا خطا خال ہے
کیا کمر پتلی ہے کافر کیا تھکتی چال ہے
ناز کی شوچی ادا میں حسن لالوں لال ہے
غور کر دیکھا ہے جو کچھ ہے سو اٹا دال ہے
سب کے دل کو فکر ہے و نرات آئے دال کا

اب انھیں افسانے یاں کر دیا کامل فقیر وہ تو بے پروا سخی دانا ہیں اپنی دل پذیر
 اور جتنے ہیں وہ سب ہیں الٹے کے اسیر ان غریبوں کی بھی اب یہ شکل سبکی اے نظیر
 سب کے دل کو فکریہ دنرات آئے دال کا

روٹی

جس جا پہ پانڈی چوٹھا تو اور تنویر ہے خالق کی قدرتوں کا اسی جاتا طور ہے
 چوٹے کے آگے آج جو جلتی جھوڑ ہے جتنے ہیں نور سب میں ہی خاص نور ہے
 اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آئے توے نور کا جس ہا زباں پہ نام یا چکی چوٹے کا جہاں گلزار ہوتا نام
 واں سر جھکا کے گھیسے ڈنڈوت اور سلام اس واسطے کہ خاص یہی روٹی کے ہیں مقام

پہلے انھیں مکالوں میں آتی ہیں روٹیاں
 ان روٹیوں کے نور سے سب ل ہیں بور بور
 پیرا ہر ایک اسکا ہے برقی و موٹی چور
 ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور

اس آگ کو مگر یہ بھاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے کسی کامل فقیر سے یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں گلے کے
 وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو شہر دے ہم تو نہ چاند تجھ میں سورج ہیں جلتے
 بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

پھر پوچھا اس نے کہتے یہ ہے دل کا نور کیا اس کے مشاہدے میں ہے کھلتا طور کیا
 وہ بولا سن کے تیرا کیا ہے شعور کیا کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا

جتنے ہیں کشف سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی جو آئی پیٹ میں سو قند گھل گئے گلزار بھوتے آنکھوں میں اور عیش ٹل گئے
دو تر نو لے پیٹ میں جب کے دھل گئے چودہ طبق کے جتنے تھے سب بھید گل گئے
یہ کشف یہ کمال دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو میلے کی سیر خواہش باغ و چین نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بچن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اب آگے جس کے مال پوے بھر کے تنہا ہیں پورے بھگت انھیں کہو صاحب کے مال ہیں
اور جن کے آگے روئے نی اور شیر مال ہیں عارف دہی ہیں اور وہی صاحب کمال ہیں
پکی پکانی اب جھپٹیں آتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رو مال ہیں روٹی کے واسطے سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے
جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے تاپے پیادہ قواعد دکھا دکھا اسوار ناپے گھوڑے کو کا والگا لگا
گھنگرو کو باندھے پیک بھی پھر تاپے ناپتا اور اس سوار جو غور سے جاتا ہے جا بجا
سو سو طرح کے ناز دکھاتی ہیں روٹیاں

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے یاد دشمنی و دوستی یا بُند خوئی ہے
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے سب کوئی ہے اسی کا کہ جس ہاتھ دوئی ہے
نو کر نضر غلام بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر
 روٹھی ہی روٹی حق میں عار ہے شہر و شہر
 یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا پتلی
 گیسوں جو اربا جرے کی جیسی ہو نظیر
 ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

کوڑی

کوڑی ہے جنکے پاس وہ اہل نقین ہیں
 کھانیکو ان کے نعمتیں سو بہترین ہیں
 کپڑے بھی ان کے تن میں نہایت مہین ہیں
 سمجھیں ہیں وہ جو اسکوٹھنے لگتے چین میں
 کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
 کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھرتین تین ہیں

کوڑی بغیر سوتے تھے خالی زمین پر
 کوڑی ہوئی تو رہنے لگے شہ نشین ہو
 پیکے سنہرے بن رہ گئے جامونکی چین پر
 موتی کے چمکے لگے گھوڑوں کی زین پر
 کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
 کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھرتین تین ہیں

کوڑی ہی چاہتی ہے سدا پادشاہ کو
 کوڑی ہی اٹھام لیتی ہے فوج و سپاہ کو
 لے کر چھڑی رومال گدا بھی نہ پاہ کو
 پھرتا ہے ہر دوکان پہ کوڑی کی چاہ کو
 کوڑی کے اس جہان میں نقش و نگین ہیں
 کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھرتین تین ہیں

کوڑی نہ ہو تو پھر یہ جھسیلا کہاں سے ہو
 رختی نہ فیلتا نہ طو بلا کہاں سے ہو
 منڈوا کے سر فقیر کا چیلہ کہاں سے ہو
 کوڑی نہ ہو تو ساٹیں کا میلہ کہاں سے ہو

کوڑی کے اس جہان میں نقش و نگین ہیں

کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کاندھے پہ تیغ دھرتے ہیں کوڑی کیواسطے آپس میں خون کرتے ہیں کوڑی کیواسطے
یاں تاک تو لوگ مہرتے ہیں کوڑی کیواسطے جو جان دے گزرتے ہیں کوڑی کیواسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں

کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

گالی و مار کھاتے ہیں کوڑی کے واسطے شرم و حیا اٹھاتے ہیں کوڑی کیواسطے
سوناک چھان آتے ہیں کوڑی کیواسطے مسی کو دم میں ڈھاتے ہیں کوڑی کیواسطے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں

کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بن کوڑی تھیں جنیل کی باسی بکوریاں کوڑی ہونی تو چھنے لگیں لمبی چوڑیاں
یوں خلق دوڑی مکھیاں جوں گڑبہ چوڑیاں خالق نے کیا ہی چیز بنائی ہیں کوڑیاں

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں

کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

خانے محل اٹھاتے ہیں کوڑی کے زور سے پکے نمونے کھداتے ہیں کوڑی کے زور سے
پل اور سرا بتاتے ہیں کوڑی کے زور سے باغ و چین لگاتے ہیں کوڑی کے زور سے

کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں

کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

مفسر اور فقیر سے تاشاہ اور وزیر کوڑی ہاں رہا ہے کہ ہر سب کے دلپذیر

دیتے ہیں جان کوڑی بچہ طفل و جوان پیر
 کوڑی عجب بدمی چیز ہے میں کیا کہوں نظر
 کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگار ہیں
 کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر ترن تین ہیں

مفلسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی
 کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
 پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی
 بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
 یہ دکھ وہ جانے جس پہ کتنی ہے مفلسی

کہئے نواب حکیم کی سب سے بڑی ہر شان
 مفلس ہوئے تو حضرت لقمان کیا ہیں یاں
 عظیم حس کی کرتے ہیں نواب اور خان
 عیسیٰ بھی ہو تو نوئی نہیں پوچھتا یہاں
 حکمت حکیم کی بھی ڈوباتی ہے مفلسی

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
 پوچھے کوئی الف تو اُسے بے ثباتے ہیں
 مفلس ہوئے تو کلمہ تک بھول جاتے ہیں
 وہ جو غریب غریبا کے لڑکے پڑھاتے ہیں

ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی
 مفلس کرے جوان کے مجلس کے چھ حال
 سب جلنے روٹیوں کا یہ ڈال دے اسے حال
 مفلس میں ہو ویں اللہ اگر علم اور کمال
 گر گر پڑے تو کوئی نہ لبوے اسے تنہاں

سب خاک بیچ آئے ملائی ہے مفلسی
 جب روٹیوں کے ٹٹنے کا اگر پڑے شمار
 مفلس کو ویں ایک تو ٹکر کو چار چار
 اس مفلسی کا آہ بیاں کیا کہوں میں بار
 گر مانگے اور وہ تو اسے چھڑکیں بار بار

مفلس کو اس جگہ بھی چپاتی ہے مفلسی

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر دیتا ہے اپنی جان وہ ایک کانٹا پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ مفلس کرے ہے اسکے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جائے حرام آہ کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ نام آہ

وہ سب حیا و شرم اٹھاتی ہے مفلسی
یہ مفلسی وہ شے ہے جس گھر میں بھری گئی
نہ بچے روئے ہیں گویا نانی گزر گئی
بن مردہ گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

لازم ہے گرمی میں کوئی شور غل مچائے
مفلس بغیر غم سے کرتا ہے ہاے ہاے
مر جاوے گر کوئی تو کہاں سے اسے اٹھائے
اس مفلسی کی خواریاں کیا کیا ہوں میں وا

مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی
کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خوری بھکریاں
کو لوں میں جائے پیسے ہیں چھپیں ہکڑیاں
جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں
پیدا نہ ہو وہیں جسکے چلائے کو لکڑیاں

دریا میں ان کے مردے بہاتی ہے مفلسی
بی بی کی تھوڑی لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو ٹھنڈ میں اڑے رہے
کیڑے میاں کے بیٹے کے گھر میں پڑے رہے
زنجیر نہ کواڑ نہ پتھر گڑے رہے

آخر کو اینٹ اینٹ بکھڑاتی ہے مفلسی

نقاش بر بھی زو جب آفلسی کرے سب رنگ دم میں کر دے معور کر کرے
صورت کو انکسی دیکھ کے منہ بچ رہے تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے

اس کے تو منہ کا رنگ اڑاتی ہے مفلسی
جب خوب روپاں کے پڑتا ہے دن سیاہ پھر تاپے بوسے دیتا ہر اک کو وہ خوا خواہ
ہرگز کسی کے دل کو نہیں موتی اسکی چاہ گر حسن ہو ہزار روپے کا تو اس کو آہ
کیا کوڑیوں کے مول بکاتی ہے مفلسی

اس خوب رو کو کون دے اب دام اور دم جو کوڑی کوڑی بوسے کو راضی ہو دم دم
ٹوپی پرانی دو، تو وہ جانے کلاہ جم کیونکر نہ جی کو اس حسن کے ہو دم
جس کی بہار منت لگاتی ہے مفلسی

عاشق کے حال پر بھی جب آفلسی پڑے معشوق اپنے پاس دے اس کو بیٹھنے
آدے جو رات کو تو نکالے وہیں اُسے اس دُور سے لینے رات کو ایذا کہیں نہ دے
نہمت یہ عاشقوں کو لگاتی ہے مفلسی

کیسی ہی دھوم دھام کی ہو کوئی خوشحال جب مفلسی کا آن پڑے سر پر اسکے جال
دیتے ہیں اسکے ناج کو کھٹکے کے سچ ڈال ناپے بے وہ تو فرش کے اوپر قدم سنبھال
اور اس کو انگلیوں پہ بچاتی ہے مفلسی

اُسکا تول ٹھکانے نہیں بھاؤ کیا بتائے جب ہو بھٹا دوپٹہ تو کاہے سے منہ چھپاتے
وہ شام سے لے صبح تک کو کہنا ہے گائے ادروں کو اٹھ سات تو وہ دے دے ہی پائے
اس لاج سے اُسے بھی لجاتی ہے مفلسی

جس کا کہ ہو گیا ہو فلا کے دل حزیں رکھتا ہے اس کو جب کوئی اگر + +

اک پون پیسے تک بھی وہ کرتی نہیں یہ دکھ اسی سے پوچھے کہ اب آہ جسکے نہیں
+++ میں ساری جگاتی ہے مفلسی

وہ تو یہ سمجھی دل میں کہ دھیا جو پاؤنگی دھری کے پان دھری کی مٹی منگاؤنگی
باقی رہے چھدام سو پانی بھراؤنگی پھر دل میں سوچتی ہے کہ کیا خاک کھاؤنگی
آخر چہینا اس کو چبانی ہے مفلسی

جب مفلسی سے ہوئے کلاؤنت کا دل لہو اس پھر تلبے لے طنبورے کو ہر گھر کے اس یا اس
اک پاؤ سیر آئے کی دل میں انگلے کے اس گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھی اس
یاں تک حواس اس کے اڑاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول پیسا کہاں جو عبا کے وہ لاوے جنیر مول
جور و کا وہ گدا ہے کہ ہو جیسے پھوٹا دھول گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھول
ہمیت تمام اسکی اٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہووے تو بیاہی نہ ساتی ہے نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر لورے جاتی ہے بیٹا بنا ہے دو لھا تو بابا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

گر بیاہ کر چلا ہے سحر کو تو یہ بلا شہداز نا نہ میٹر اور بھاٹ منڈر چرا
گھیرے ہوئے اسے چلے جاتے ہیں جا بجا وہ آگے آگے لڑتا ہوا جاتا ہے چلا
اور پیچھے تھپڑوں کو بجاتی ہے مفلسی

دروازے پر زنا نے بجاتے ہیں تالیاں اور گھر میں بیٹھی ڈوہنی دیتی ہیں گالیاں
مالن گلے کی بار ہووے لے ڈالیاں سفاکڑا سنا تا ہے باتیں روالیاں

یہ خواری اور خرابی دکھاتی ہے مفلسی
کوئی شرم بے حیا کوئی بولا نکھٹو ہے
بیٹے نے جانا باپ تو میرا نکھٹو ہے
بی بی یہ دل میں کہتی ہے بکھڑا نکھٹو ہے

آخر نکھٹو نام دھرتی ہے مفلسی
مفلس کی درد دل بھی کوئی ٹھانتا نہیں
مفلس کی بات کو بھی کوئی مانتا نہیں
ذات اور حسب نسب کو کوئی جانتا نہیں
صورت بھی اسکی پھر کوئی پہچانتا نہیں
یاں تک نظر سے اس کو گراتی ہے مفلسی

جس وقت مفلسی سے یہ آکر ہوا تباہ
والیدری کے کوئی ٹھہراوے رو سیاہ
پھر کوئی اس کے حال پر کرتا نہیں نگاہ
جو باتیں عمر بھر نہ سنی ہو وہیں اس نے آہ
وہ باتیں اس کی آکے ستاتی ہے مفلسی

چوٹے توانہ پانی کے مشکے میں آبی ہے
مفلس کے ساتھ رکے تئیں نہ بھابی ہے
پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نہ رکابی ہے
مفلس کی جو رو تیج ہے کہ ہاں سبکی بھابی ہے
عزت سب اسکے دل کی گنوا تی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پراغلاس کے مفضل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل
کوئی گدھلکے اسے ٹھہراوے کوئی بیل
مٹھ خٹک دانت زرد بدن پر جامے بیل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

ہر آن دوستوں کی عبت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے
جو آشنا میں ان کی تو الفت گھٹاتی ہے
شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے

ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی
 کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
 مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی
 مفلس کسی کا لڑکا جو لے پیار سے اٹھا باپ اسکا دیکھے ہاتھ کا اور یا نوں کا کڑا
 کہتا ہے کوئی جوتی نہ لیوے کہیں چرا نٹ کھٹ، اچکا، چور، دغا باز، گٹھ کٹا
 سو سو طرح کے عیب لگاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
 سو محنتوں میں اسکی کھیپاتی ہے جان کو چوری پے آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
 آخر ندان بھیکہ منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں نے کے شاہ سے اے یار و خیر خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے امیر
 اشراف کو بٹاتی ہے اک آن میں حقیقت کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیر
 وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

اکبر آباد

شہر سخن میں باب جو ملا ہے مجھے مکاں کیوں کر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
 دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تھا
 رکھو الہی اسکو تو آباد جاو داں
 ہر صبح اسکی رکھتی ہے وہ نور گستری شہر مندرہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
 ہر شام بھی وہ مشک ملاحتی ہے بھری لیلیٰ کی جھڑک نہ سکے جس کی بھسری

دن روئے مہر طلعت و شب لطف مہوشی

باغات پر بہار عمارات زر نگار
بازار وہ کہ حبیب چمن دل سے ہو نثار
محبوب و لفریب و گل اندام و گل عذار
گلیاں کہیں ہیں آپکو گلزار پر بہار
کوچے کہے ہیں اپنی تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا اب کہے
دیکھو جدھر جدھر گل عشرت میں کھل رہے
ایدھر کو فقے ہیں تو او دھر کو چھپے
اشجار باغ و شہر ہیں سمر سبز لہلہ
سبزی کو جن کی دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ مہوجات
دیکھو تو پھر نبات سے کچھ آوے ہیں نہ بات
شہر دانپہ آگھ پر لگائے رہے بے گھات
قند و شکر بھی دل سے فدائوں دن اور رات
رہتے ہیں انکے وصف میں ہر دم شکر فشاں

بکر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نر
لاکھوں بہاریں رکھتی ہے ایک ایک جلی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی منہ دھوئے شاد بہر
اس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان شہر
شہاد سمر و ہوتے ہیں جوں نر پر عیاں

گریاں کے پیر نے کا کروں وصف میں رقم
تو بحر صفحہ بیج لگے پیر نے قلم
پیرے ہیں اس روش کی بہاؤں سے ہر دم
تو ننو چمن تجھ سے ہوئے شبنم کے و مہدم
آجائے ہیں نظر وہیں دریائے درمیاں

اہل ثنا جو کرتے ہیں سو سو طرح ثنا
لہریں نشاط و عیش کی اٹھتی ہیں دل میں آ
ملنا نہیں کنار کچھ عشرت کے بحر کا
ساحل یہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحر بیکراں

یار و عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے اثر و ہام
 ہر طور دل رہے خوش اور طبع خاد کام میری نظیر دل سے ہی ہے دعا و ملام
 بستار ہے یہ شہر بعد اسن اور اماں

آگرہ کی گٹری

پہنچے نہ اسکو ہرگز کابل درے کی گٹری نے پورب اور پچھم خوبی بھرے کی گٹری
 نے چین کے پرے کی درے کی گٹری نے دکھان ورنہ ہرگز اس کے لیے کی گٹری
 کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی گٹری
 اور خمیں خاص کافر اسکندرے کی گٹری
 کیا پیاری پیاری میٹھی اور تلی تلیاں ہیں گٹے کی پوریاں ہیں لشیم کی نکلیاں ہیں
 فراد کی نگاہیں شیریں کی سنسلیاں ہیں جنوں کی سرفراہیں سیلی کی انگلیاں ہیں
 کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی گٹری
 اور خمیں خاص کافر اسکندرے کی گٹری
 کوئی ہے زردی مائل کوئی مہری بھری ہے پکھنچ مشعل ہے پتے کو تھرتھری ہے
 میرھی ہے سو تو چوڑی وہ ہیر کی مہری ہے سیدھی ہے سو وہ یار و را بٹھالی بانسری ہے
 کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی گٹری
 اور خمیں خاص کافر اسکندرے کی گٹری
 چھوئے ہیں برگ گل سے کھائیں کرکری ہے گری کے مارے کو اک تیر کی سری ہے
 آنکھوں میں سکھ کیجے ٹھنڈک مہری بھری ہے گٹری نہ کہئے اسکو گٹری نہیں پری ہے

کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی گکڑی
 اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی گکڑی
 بیل اسکی ایسی نازک جوں لفیج کھائی
 دیکھ اسکی ایسی نرمی باریکی اور کلائی
 کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی گکڑی
 اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی گکڑی
 جو ایک بار بار اس جا کی کھائے گکڑی
 دل تو نظیر غش ہے یعنی منگائے گکڑی
 کیا خوب نرم نازک اس آگرے کی گکڑی
 اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی گکڑی

گورابت

کورے برتن ہیں کیا دی گلشن کی جس سے کھلتی ہے ہر کلی بن کی
 بوند پاتی کی ان میں جب کھنکی کیا وہ پیاری صد ہے سن سن کی
 تازگی جی کی اور تری تن کی
 واہ کیا بات کورے برتن کی
 پانی کی آپا بڑی ہے ذات قطرہ قطرہ ہے جسکا آب حیات
 کورے برتن میں جبکہ آیا بات پھر تو آب حیات بھی ہے مات
 تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے وہی آنے کی مول گولی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے کیا کہوں گولی گولی گولی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

یہ جو گولی کی بولیاں باندھیں ہم نے پانی کی بولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی کھولیاں باندھیں دل نے پھولوں کی جھولیاں باندھیں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھیلیوں پہ دیکھ کر لوٹا دل لگا بیوے کچھ کھرا کھوٹا
گرچہ بوٹا وہ قدر کا ہے چھوٹا جس نے دیکھا اسی کا دل نوٹا

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رستے ہیں آپ کے غم میں جیسے ڈوبے ہوں بچوں شبنم میں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید چھتر ہے جس کی جاگیر ملک چھتر ہے
بیل بوٹے سے اس چھک پر ہے تاش کخواب یا مشجر ہے

تازگی جی کی اور ترے تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے دوستو یہ بھی بات مانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں یا کسی کے عزیز مرتے ہیں
جبکہ لا پھول پان دھرتے ہیں وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جبکہ ان کو گڑھتے ہیں بندگی سے یہ اپنی پڑھتے ہیں
کوزوں پر پھول ہار چڑھتے ہیں حورو غلماں درود پڑھتے ہیں

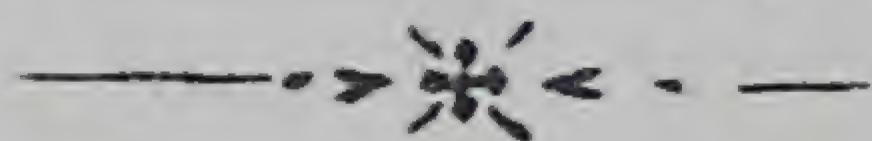
تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی

کوزوں پر جو نظیر جو بن ہے جو چربے میں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑو نیچی پہ کورا پاسن ہے وہ گھڑو نیچی نہیں ہے گلشن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی

واہ کیا بات کورے برتن کی



ترتوز

کیوں نہ ہو سبز زمرہ کے برا بر ترتوز کرتا ہے خشاک کلیجہ کے تن میں ترتوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر ترتوز جس طرف دیکھئے بہتر سے ہے بہتر ترتوز

اب تو بازار میں جتے ہیں سراسر ترتوز

کتنے ہیں کھاتے نزاکت سے تراش میں مہر تاکہ سینہ ہو خنک مری میں ٹھنڈا ہو جگر
کتنے شربت ہی کے پیتے ہیں کٹورے بھر بھر کتنے بچوں کو کھاتے ہیں خوشی ہو ہو کر

کتنے کھاتے ہیں کفایت سے منگا کر ترتوز

میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لئے ہونٹ چپکے ہیں جدا دانت ہیں کرکے
شب کو دو چار منگا کر جو تراشے میں نے کیا اکوں میں کہ مٹھائی میں وہ کیسے نکلے

کوئی او لا کوئی مصری کوئی شکر ترتوز

مجھ سے کل یارے منگوا یا جو دیکر پیا اس کے ٹانگے جو لگائے تو وہ کچا بھلا
دیکھتے توری کو چڑھا ہوئے غصہ طیش میں کچھ نہ بن آیا تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا

کیوں بے لاپاہے اٹھا کر یہ سراسر ترتوز

جب کہا میں نے نمایاں یہ تو نہیں ہے کچا اور کچا ہے تو میں پیٹ میں پیٹا تو نہ تھا
اس کے سنتے ہی غصہ ہو کے وہ لالہ نگارا لاٹھی پائی جو نہ پائی تو پھر آخر جھجھلا

کھینچ مارا میرے سینہ پر اٹھا کر ترتوز

تل کے لٹو

جہان میں پھر خدا نے کھلائے تل کے لٹو ہر ایک خواہے میں دکھائے تل کے لٹو
 کوہے گلی میں ہر جا بکروائے تل کے لٹو ہکو تو سینگ دل سے خوش آئے تل کے لٹو
 جیتے بہت تو بار و پھر کھلائے تل کے لٹو
 عموں نے سولہ ٹکلی باتو تیاں آرائیں لوگوں نے وار مینی خگر میں لعلائیں
 سڑی میں دوتوں نے ہزار و ہزار کھائیں اوروں نے ڈال محسوس ہر پندیاں بنائیں
 پئے بھی گرو مٹھا کر بندھوئے تل کے لٹو
 لکھو دیکھ کو سر پہ پیکار یوں چکارا بادام بھوننا چاہو اور گر گرا تھو پارا
 جہان آگے تو اسکا کرتا ہوں میں جہلا جس کا گھبراوہ دوسری نے ہو دے مارا
 نو داما کے دو ٹمہ سے لے جاسے تل کے لٹو
 ہلا تو بہت دل میں تھا پتوں تمھارا ہر ایک تل نے اسکو رگ لگ سوت اٹھا
 جسد م دل و عگر کو سہی سے آؤا تم لکھو ک و و مٹی تم نے ہمارے کو دھو چھلا
 تن بھیج دیا بھیجا جب کھلائے تل کے لٹو
 ہائے میں جسکو ہر دم پیشاب ہے ستا انھیں تو جہاں اپنے ہے موت نکلا جاتا
 اہل کی ادائیگی ہو چھو کوئی ٹیکم سے جا بتلائے کتنے کتنے پہ ایک بن نہ آیا
 انحرطان اس کا ٹھہرائے تل کے لٹو

کنکڑے اور پتنگ

یاں جن دنوں میں ہوتا ہے آنا پتنگ کا ٹھہرے بے ہر مکان میں بنانا پتنگ کا
 ہوتا ہے کثرتوں سے مڑگانا پتنگ کا کرتا ہے شاد دل کو اڑانا پتنگ کا
 گیا کیا کہوں میں شور مچانا پتنگ کا
 اڑنا دوبار کا ہے وہ شوخی کی دستگاہ دیکھے تو باجرے کو تو ہو اس کی دل سے چا
 شکرے کی باز آوے نہ اس جا بھی نگاہ بری کو ہی بھی دیکھ یہ کہتی ہے واہ واہ
 ایسا ہے نادر حسن دکھانا پتنگ کا
 ہر لحظہ اس بہار سے اڑتا ہے لیسرا بلبل سمجھ کے گل جسے ہو جاوے مبتلا
 گھائل کے اڑنے کی بھی صفت اب کہ نہیں کیا گھائل جو عشق کے ہیں وہ کہتے ہیں بر ملا
 ہے دل میں خوب شوق بڑھانا پتنگ کا
 اڑنا لنگوٹے کا ہے ایسا کچھ ارجمند گوشے سے دیکھنے جسے آوے لنگوٹ بند
 اور چاند تارے کی بھی چمک چاند سے چند اڑنا پہاڑے کا بھی ہے اس قدر بلند
 اکھڑے تو پھر فلک پہ ہو پانا پتنگ کا
 بگلے کے اڑنے میں بھی وہ خوبی ہے آشکار مچھلی نگہ کی دیکھ کے ہو جس کو بے قرار
 پنے کے مول کا بھی دوپٹا ہے خوش نگار دھیر بھی ابلتے کو چڑھاتا ہے بار بار
 چنچل پن اس قدر ہے جتنا پتنگ کا
 اڑنا گلہری کا بھی میں کیا کروں بیاں دیکھیں درخت پر جسے چڑھ کر گلہریاں
 اور ہے دودھار پیٹے کی بھی کچھ اور کن بیاں حیراں ہو جس سے تیغ نگاہ پری ر خاں

پھر کس طرح نہ دل ہو دانا پتنگ کا
 اڑتا ہے اس طرح سے وہ ہے جو مانگ دے
 ہوتا ہے جس پہ گوہر دل دیکھ کے نثار
 خربوزیئے کی کانتپ کا جھکنا یہ لال وار
 اور پیندی پان کی بھی کچھ اس طور کی بہار
 گویا ہوا میں گل ہے کھلانا پتنگ کا
 بکھلے ہیں واہ واہ کے سر ان باں سے بول
 اڑتا ہے کل سرے میں بھی شیراز یو کا غول
 اور ہے دو کوئی کی الاک ادا مول
 جیدھر ہے نوک جھوک دکھانا پتنگ کا
 شرمندہ ہو گو تر حیت جس سے داغما
 چو کئی چنچلیں ہیں اڑے جبکہ چو کھڑا
 غائب ہے لکڑی اڑنے پہ لکڑی کا مرتبہ
 اس زور سے ہوا پہ ہے جانا پتنگ کا
 پتلی لکر کوڑے ہیں جس وقت کجگاہ
 باہیں دراز کرتے ہیں لب جھپکے خوا خواہ
 یہ شکل دیکھ کر کوئی کہتا ہے واہ واہ
 اب اس طرف لڑے گی بھلا کا ہے کونگاہ
 دل میں تو کھپ رہا ہے لڑانا پتنگ کا
 لاتا ہے پھر بچار کے تکل جو اپنی واں
 کہتا ہے کوئی ان سے خبر والا و میاں
 اب پیچ پڑے گواہیں نہ دے اتنی گھمیاں
 گھبرا کے کئے آسکے نہ بھنے دو میری جاں
 اچھا نہیں ہے مفت کٹانا پتنگ کا
 گرچ پڑے تو یہ کہتے ہیں دیکھو
 رہ رہ اسی طرح سے زاپے جھیل کو
 پہلے تو یوں قہم کے تئیں او میاں رکھو
 پھر ایک رگڑا دے کے ابھی اسکو کاٹ دو
 ہے گا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

کُتا ہے جو پتنگ تو پھر لیٹنے سے
 کاغذ را سا ملتا ہے یا ٹکڑے کانپ کے
 دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
 جب اس طرح کی سیر کھلا آن کر پے
 پھر سوچئے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا
 اس آگے میں بھی تماشا ہے دلپذیر
 ہوتے ہیں دیکھ شادا سے خرد اور کبیر
 کیونکر نہ دل پتنگ کی ہو دور میں اسیر
 خواباں کے دیکھنے کے لئے کیا یہاں نظیر
 ہے یہ بھی ایک طرف بہانہ پتنگ کا

برسات

برسات کا جہان میں لشکر کھیل پڑا
 جھڑپوں کا مینہ بھی آگے سر اسر کھیل پڑا
 بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر کھیل پڑا
 چھتا کسی کا شور مچا کر کھیل پڑا
 کوٹھا جھکا اٹا زری گری در کھیل پڑا
 جن کے نئے نئے تھے مکان اور محسرا
 دیواریں بیٹھتی ہیں بے چاروں کا غل مچا
 چھجا گرا منڈیری کا پتھر کھیل پڑا
 جھڑپوں نے اس طرح کا دیا آگے جھڑپ کا
 کوئی پکارے ہے مرا دروازہ گر حلا
 تم در کو چھیکتے ہو مرا گھر کھیل پڑا
 باراں جب آگے نچنے مکان کے تئیں بلا
 ہر جھونپڑے میں شور ہے ہر گھر میں لے دے
 کچا مکان پھر اسکی بھلا کیونکر تاب لائے
 کہتے ہیں یارو دوڑ دوڑ بولدی سے ہائے

پا کھے چھیت سو گئے چھپر پھیل پڑا
 یاں تک ہر اک مکان کی پھیلنے لگی زمین
 نکلتے جو گھر سے انکو کھیلنے کا ہے لقیں
 مفلس غریب پر ہی یہ موقوف کچھ نہیں
 کیا فیل کا سوار ہے کیا پا لکی نشیں
 آیا جو اس زمین کے اوپر کھیل پڑا
 دیکھو جدھر جدھر کو ہی غل پکار ہے
 کوئی پھنسا ہے اور کوئی کچھڑ میں خوار ہے
 پیادہ اٹھا جو سر کے تو کچھڑا سوار ہے
 گرنے کی دھوم دھام یہ کچھ بے شمار ہے
 جو ہاتھتی رٹا اونٹ گرا خر کھیل پڑا
 کوئی گلی میں گر کے ہے کچھڑ میں لڑتا
 کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا
 رستے کے بیچ پاؤں کسی کا رٹ گیا
 اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
 وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر کھیل پڑا

طقلی

کیا وقت تھا وہ ہم تھے جب دودھ کے چٹورے
 ہر آن آنچلوں کے معمور تھے گٹورے
 پانوں میں کالے ٹیکے ہاتھوں میں نیلے ڈورے
 یا چاند سی ہو صورت یا سالورے دگورے
 کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے
 گل کی طرح سے ہر دم سینے پہ پھولتے تھے
 پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے تھے

ماں باپ ان کی خدمت سر پر قبولتے تھے
 ہاتھوں میں کھیلتے تھے جھولے میں جھولتے تھے
 کیا سیر دیکھتے تھے یہ طفل شیر خورے
 نے دوستی کسی سے نہ ان کے دل میں لینا
 جانیں نہ بے قرینہ نے سمجھیں کچھ سترینا
 نے گرمیوں سے واقف نہ جانتے پسینا
 چھاتی سے ماں کی لپٹے خوش آن کو دودھ پینا
 کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

بڑ دیکھے ان کی صورت لے پیار سے کھلاوے
 ہاتھوں اوپر اُچھا لے اور چھڑ کر ہنساوے
 چومے کبھی دہن کو پھساتی کبھی لگاوے
 کوئی چسپی منہ میں دیوے کوئی جھنجھٹا بکاوے
 کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

چھوٹا سا کوئی ان کا کرتا نکالتا ہے
 یا چھوٹی چھوٹی ٹوپی سر پر سنہا لتا ہے
 ماں دودھ سے پلاتی اور باپ پالتا ہے
 نانا گھلے لگاوے دادا اچھا لتا ہے
 کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیر خورے

کیا عمر ہے عزیز و اور کیا یہ وقت ہے گا

جب گھٹنیوں پہ آئے پھر اور کچھ تماشا
پانڈوں چلے تو واں سے پھر اور پیار گھمرا
سب زندگی کا خطبہ ان کو نظیر اہل
کیا سیر دیکھتے ہیں یہ طفل شیرخوار

طفل

کیا دن تھے یار وہ بھی تھے جبکہ بھوکے بھالے
نکلے تھے واٹی لیکر پھرتی کبھی دوا لے
چوٹی کوئی رکھا لے بدھی کوئی بچھا لے
ہنسلی گلے میں ڈالے منت کوئی بڑھا لے
مولے ہوں یا کہ وبلے گورے ہوں یا کہ کالے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

مر جائے کوئی تو بھی کچھ اس کا غم نہ کرنا
ان کی بلا سے گھر میں موقوف یا کہ گھرنا
لے جائے کچھ بگڑنا لے جائے کچھ سنونا
جس بات پر یہ مجھے پھر وہ ہی کر گزرتا

ماں اور رضی کو بابا بگڑی کو بچھا لے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو کوئی چیز دیوے منت ہاتھ اوڑھتے ہیں
بابا کی مونچھ ماں کی چوٹی کھسوتے ہیں
گڑ بیر مولی کا جرب سٹھ میں گھومتے ہیں
گردوں میں اٹ رہے ہیں گونہیں لوٹتے ہیں

بچھل گیا سوئی لے کچھ بنگیا تو کھالے

کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جوان کو دوسو کھالیں بھیک ہو یا سلونا
ہیں یاد شدہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا

جس جا پہ نیندا آئی پھر واں ہٹاں کو سونا پروا نہ کچھ پلنگ کی نے چاہئے بچھونا
 بھونپو کوئی بجائے پھر کی کوئی نچالے
 کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے
 یہ بالے پن کا یار و عالم عجب بناتے یہ عمر وہ ہے اسمیں جو ہے وہ بادشاہ
 اور سچ اگر چہ پوچھو تو بادشاہ بھی کیلے اب تو نظیر میری سبکو ہی دعا ہے
 جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
 کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

شبِ برات

کیونکر کرے نہ اپنی نموداری شبِ برات چلیاں چپاتی حلوے سے ہے بھاری شبر
 زندوں کی ہے زباں کی مزیداری شبِ برات مرد و نکی روح کی ہے مددگاری شبِ برات
 لگتی ہے سب کے دل کو غرض پیاری شبِ برات
 شکر کا جتنکے حلوا ہوا وہ تو پورے ہیں گڑ کا ہوا ہے جس کے وہ ان سے ادھر ہیں
 شکر ز گڑ کا جتنکے وہ پرکٹ لندورے ہیں اور وٹکے میٹھے حلوے چپاتی کو کھورے ہیں
 انکی نہ آدھی پاؤ نہ کچھ ہماری شبِ برات
 دنیا کی دولتوں میں جو زور وار ہیں بڑے قند و نیکے حلوے روغنی نانیں نئے گھڑے
 پہونچانے خوان پھرتے ہیں نوکر کئے پڑے زندے بھی راہ نکلتے ہیں مردے بھی کھڑے
 ان خوبیوں کی رکھتی ہے طیاری شبِ برات
 کھلیاں چپاتی حلوے کی تو سب میں چال ہے ادنیٰ غریب کے تئیں یہ بھی محال ہے

کالے سے گڑ کی لپیٹ کر بھی کے مثال ہے پانی کی ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہے

کرتی ہے ایسی دکھیا پسنداری شب برات

اور مفلسوں کی ہے یہ تمنا کہ فاتحہ دریا پہ جا کے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ حلوائی کی دکان پہ دادا کی فاتحہ

یاں تک تو ان پہ لاتی ہے لاچاری شب برات

ملا جو دینے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں حلوا کہیں کہیں چپاتی اڑاتے ہیں
مفلس کوئی بلاوے تو منہ کو چھپاتے ہیں شکر کا حلوا سنتے ہی بس دوڑ جاتے ہیں

کہتے ہوئے یہ دل میں اہا باری شب برات

جوڑے سے لٹو تو بڑے ہر دم بنا کے جو حاکم کا پیادہ کتاب ہے یوں اس سے تلخ ہو
کپڑے بدن بچا کے جو چاہو سو چھوڑ دو چھپر علاؤ گے تو دلاوے گی صبح کو

تم سے چوتڑے میں گنہگاری شب برات

گھنچکر اپنے دم میں کہیں خرچ کھاتے ہیں ٹونٹے ہوائی سنگ کہیں اڑا رکھتے ہیں
زمیٹ زمیٹ پٹا خے کہیں غل بچاتے ہیں لڑکوں کے باندھ غول کہیں لڑنے جاتے ہیں

کرتے ہیں پھر تو ایسی دھنواں مہاری شب برات

اگر کسی کے سر چھو ندر لگی کڑی اوپر سے اور ہوائی کی آکر ٹری چھری
ہو گی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی پانوں سے لپٹے شور مچا کر قلم تری

کرتی ہے پھر تو ایسی تمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا آنکھیں بھلس گئیں چھاتی کسی کی جل گئی باہیں بھلس گئیں
ٹانگیں کچی کسی کی نورانیں بھلس گئیں مونچھیں کسی کی پھک گئیں پلکین بھلس گئیں

رکھے کسی کی ڈاڑھی پہ چنگاری شب برات
کوئی دوستوں کو دلیں سمجھتا ہے اپنے غیر
کوئی دشمنوں سے دل کا نکالے ہے اپنے حیر
کتاب ہے واں نظیر بھی آتش کی دیکھ سیر
یارب تو سبکی کیجئے برس برس کی خیر
بے طرح کر رہی ہے نموداری شب برات

دِوَالی

ہر اک مکان میں جلا پھر دیا دِوَالی کا
سبھی کے دل میں سماں چھا گیا دِوَالی کا
ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دِوَالی کا
کسی کے دل کو فراخ خوش لگا دِوَالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دِوَالی کا
جہان میں بھی عجب طرح کا ہے یہ دیوار
کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہر اُدھار
کھلونوں کھیلوں تباشیوں کا گرم ہے بازار
ہر اک دکان میں چراغوں کی ہو رہی ہے ہمار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دِوَالی کا
مرٹھائیوں کی دکانیں لگا کے تلوائی
بتائے لے کوئی برقی کسی نے تلوائی
پکارتے ہیں کہ لالہ دِوَالی ہے آئی
کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آگیا دِوَالی کا
فقط حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیویار
کے ہیں منسکے قرص خواہ سے ہر اک بازار
دِوَالی آئی ہے سب جلائیگی اسے یار
خدا کے فضل سے ہے آسرا دِوَالی کا
مکان لبیب کے ٹھلایا جو کوری رکھوائی
جلا چراغ خوشی ہے پھر وہ جھنکائی

اصل جواہری تھے انہیں تو جان سی آئی خوشی سے کودا چھل کر پکارے او بھائی

شگون پہلے کروتم ذرا دوالی کا
شگون کی بازی لگی پہلے یار گنڈے کی
پھر اس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
پھر جواہری طرح بار بار گنڈے کی
کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرور کھا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری
جو کچھ تھی جنس میسر بنانا ہاری
کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ ہار حبت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لانی موٹھ نے مارا
کسی کو نروٹے چو پڑے کر دیا زارا
کسی کے گھر پہ دھڑا سوختہ نئے انگارا
لنگوٹی باندھ کے بیٹھا ازار تک ہارا
یہ شور آ کے عجا بجا دوالی کا

کسی کے جور و کسے ہے پکار دے بھڑے
جو گھر میں آوے تو سب مل کہیں سو گھر
بھوک کی نوکری بیٹی کے ہاتھ کے گھڑوے
نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں بھڑوے
خندانے تجھ کو ہے شہد کیا دوالی کا

وہ اسکے جھونٹے پکڑ کر کہے ہے ماروں گا
حویلی اپنی تو ایک واؤ پر میں ہاروں گا
ترا جو گستا ہے سب ناز نارا ناروں گا
یہ سب تو ہار ہوں خندی تجھے بھی ہاروں گا
چڑھا ہے مجھ کو بھی اب تو اٹھا دوالی کا

تجھے خبر نہیں خندی یہ بت وہ پیاری ہے
تو اس نے جور و کی تھ اور ازار ازاری ہے
کسی زمانے میں آگے ہوا جو جواہری ہے
ازار ہی نہیں جور و تلک بھی ہاری ہے

سنایہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا
 جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے تو زرسے ہوتی ہے اور زربغیر ہوتی ہے
 جو ہارے ان پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے اور ان میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے
 تو آڑے آتا ہے ان کے دیا دوالی کا
 یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ انکو جانو بارو نصیحتیں ہیں انھیں دل میں ٹھانیو بارو
 جہاں کو جائیو قصہ بکھانیو بارو جو جوار می ہو نہ جڑا اسکا مانو بارو
 نظیر آپ بھی ہے جوار یا دوالی کا

اڑدے کا بچا

بیچے اب تو کوئی بلبیل بے کا بچا اور بیچتا ہے کوئی طوطے ہرے کا بچا
 مینا - بیا - لٹورا اور ابلقے کا بچا تیتڑ - بٹیر - سارس - شکرے - لوے کا بچا
 سب بیچتے ہیں اگر چیتے کھرے کا بچا
 ہم بیچتے ہیں یارو لواڑدے کا بچا
 کھاتے تھے ہم تو اس سے آگے بلاؤٹلیا یارو کھی سوکھی روٹی یا باجرے کا دیا
 پھرتے ہیں سر پہ رکھ کر چالیس من گولییا اب کوئی آگرے میں ایسا نہیں ہے بلیا
 سب بیچتے ہیں اگر چیتے کھرے کا بچا
 ہم بیچتے ہیں یارو لواڑدے کا بچا
 جب بیچتے تھے یارو ہم اڑد ہاڑانا سو سو طرح کا جب تو آتا تھا ہلو کھانا
 اب گاہکی جو کم ہے تو ہے یہ دل میں ٹھلانا اک بچا روز لانا اور روز بیچ کھانا

سب بیچتے ہیں یاد و چیتے کھرے کا بچا
 ہم بیچتے ہیں یار و لواڑ دے کا بچا
 گاکا نہ کوئی بولا ہے یہ سوا زمانہ آج اس کو سر پہ رکھ کر شہر اپنا چھانا
 اب بھی بکا تو بہتر نہیں پھر ٹرپکا لانا ہے اس سے ہی ہمارے نت رتی کا کھانا
 سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچا
 ہم بیچتے ہیں یار و لواڑ دے کا بچا
 ہے دُر ہم اس کو رکھیں یا پھر کر لیجاویں تو کیا ہم آپ کھاویں اور کیا اسے کھلاویں
 کچھ بن نہیں جو آتا یہ دکھ کسے سناویں جی چاہتا ہے اب تو ہم شہر چھوڑ جاویں
 سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچا
 ہم بیچتے ہیں یار و لواڑ دے کا بچا
 سون گہیوں کا ہر دم کھانا کہاں سے آوے اور سو کچال پانی کب تک کوئی پلاوے
 جب رات ہو تو ہر دم یہ خوف جی میں آوے شاید اسے چرا کر کوئی چور لے نہ جاوے
 سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچا
 ہم بیچتے ہیں یار و لواڑ دے کا بچا
 روزی کے اب تو ایسے گھر گھر میں ہر کسارے ہاتھی و گھوڑے اپنے دیتے ہیں لوگ ڈھالے
 جب تنگ ہوئے روزی کون اڑھے گویا لے اس کی بھی اور ہماری یار و خیر خدا لے
 سب بیچتے ہیں آکر چیتے کھرے کا بچا
 ہم بیچتے ہیں یار و لواڑ دے کا بچا
 لو دس ہزار تک تو چھوٹے اسمے نہ دینگے اتنے روپے تو ایسے ابھر کے ہم نہ لینگے

متر ہزار تک بھی سودا نہیں کریں گے
 انٹی ہزار دیگا تو ہم بھی دے چکیں گے
 سب بیچتے ہیں اگر چیتے کھرے کا بچا
 ہم بیچتے ہیں یار دلو اڑ دے کا بچا
 آگے تو کھر بہ کھر تھے اکثر تمام داتا
 سیرغ پالتے تھے کر نکو نام داتا
 اپنے تو ہرگز آیا کچھ بھی نہ کام داتا
 سچ ہے نظیر آخر ا جگر کے رام داتا
 سب بیچتے ہیں اگر چیتے کھرے کا بچا
 ہم بیچتے ہیں یار دلو اڑ دے کا بچا

رکھ کا بچہ

کل راہ میں جاتے جو ملا رکھ کا بچا
 لے آئے وہیں ہم بھی اٹھا رکھ کا بچا
 سو شمتیں کھا کھا کے پلا رکھ کا بچا
 جس وقت بڑا رکھ ہوا رکھ کا بچا
 جب ہم بھی چلے ساتھ چلا رکھ کا بچا
 تھا ہاتھ میں اکاپنے سوا من کا جو سٹھا
 کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پھالا
 لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
 بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
 آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا رکھ کا بچا
 تھا رکھ کے بچے یہ وہ گنا جو سراپا
 کانٹوں میں کڑے پائوں کے اندر
 وہ دور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پرزد
 جس دور سے یار و تھا بندھا رکھ کا بچا
 جھکے وہ جھکتے تھے پڑے جس میں کر نہ چول
 مقیش کی لڑیوں کی پڑی سٹھا اوپر جھول

اور اُن کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گل بھول یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سڑ بھول

گو یا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچا
تھیں ایک طرف سیڑیوں لڑکوں کی بکاریں اک طرف تو تھیں سر حوالوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیق اور اونٹوں کی ڈکاریں غل شور مچے بھیر گھٹھ انبوہ بہاریں
جب ہم نے کیا لاکے کھڑا ریچھ کا بچا

کتنا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ مچھند اب کیا ہوئے اگلے جو تھارے تھے وہ بند
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلند ہاں چھوڑ دیا بابا اکھیں جنگل کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

مدت میں اب اس بچے کو ہمت ہے سدھایا لڑنے کے سواناچ بھی اس کو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈولی کے تئیں گت پہ بکایا اس ڈھب سے اُسے چوک کے جگڑ میں بچایا

جو سب کی نگاہوں میں کھپا ریچھ کا بچا
پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں آہ پھر کہہ دانا چا تو ہر اک بولی زباں آہ
ہر چار طرف سے تھے کہے پیر و جواں آہ سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں آہ

کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچا
اس ریچھ کے بچے میں تھا اس ناچ کا ایجاد کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
پر کوئی یہ کہتا تھا خدا تم کو رکھے شاد اور کوئی یہ کہتا تھا ارے واہ رے استاد
تو بھی جئے اور تیرا سدا ریچھ کا بچا

پھر ہم نے اٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا خم کھونک پہلو اں کی طرح لڑنے کو آیا
لیٹا وہ تو کشتی کا ہنسہ اُن دکھایا وہ چھوٹے بڑے جتنے تھے اُن سب کو جھایا

ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچا
 پھر کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا
 گہ ہم نے پچھاڑا اسے گہ اتس کے پچھلا
 لکھارے ہی اتس نے ہمیں آن لٹاڑا
 اک ڈیرہ سا پھر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
 گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچا

ان داؤنیں پھول میں جو کشتی میں ہوئی دی
 یوں پڑتے روپے پیسے کہ اندھی میں گویا بیر
 سب نقد ہوئے آکے سو الاکھ روپے ڈھیر
 جو کتنا تھا ہراک سے اسی طرح سے منہ پھیر
 یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچا

کتنا تھا کھڑا کوئی جو گر آہ ابا ہا
 اس کے تمھیں استاد ہو والہ ابا ہا
 یہ سحر کیا تم نے تو ناگاہ ابا ہا
 کیا کہئے غرض آہ خوش اے واہ ابا ہا
 ایسا تو نہ دیکھا نہ سنا ریچھ کا بچا

جس دن سے نظیر اپنے تو دل شاد ہی ہیں
 جاتے ہیں جدھر کو ادھر شاد ہی ہیں
 سب کہتے ہیں وہ صاحب ایجاد ہی ہیں
 کیا دیکھتے ہو تم کھڑے استاد ہی ہیں
 کل چوک میں جنکا تھا لڑا ریچھ کا بچا

گھری کا بچا

لئے پھر تہا ہے یوں تو ہر لہر بچہ گھری کا
 ہر اک استاد کے رہتا ہے گھری گھری کا
 و لیکن ہے ہمارا اس قدر بچہ گھری کا
 دکھاویں ہم کسی لڑکے کو گھری گھری کا
 تو دم میں لوٹ جائے دیکھ کر بچہ گھری کا

سفیدی میں وہ کالی عاریاں ایسی ہی ہیں
 کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھوٹے زلف کناگن
 یہ نظم جیسی سنی گئی ویسی ہی لکھی گئی۔ اس میں شاعری کے عیوب ہیں۔

کناری ارچا جس میں گھنگرو کر رہے چین چین گئے ہیں سنسلی پاؤں میں کڑے ڈاکھیں لٹکن

دہا ہے سر سر گھنے میں بھیر بچا گلہری کا
کسی سردار کے دل میں یہ آیا ایک نیا رو
کہا اس نے کہ ہاں اس وقت کے استادوں کو لے آئے
سو لو کر اسکا سب میں ڈھونڈ چکرے کیا ہم کو

نہ تھا ہم پاس اس دم چھ مگر بچا گلہری کا
وہ دیکھے تو بری صورت برا حال اور کھٹے کپڑے
بندھی میلی سی پکڑی سر پا ڈھونڈ کرے انگر کھٹے
بڑھے ڈھونڈ کرے بال و زر ڈھونڈ کرے انکھوں آنسو سے

لگا رکھتے تھے ایسے وقت پر بچا گلہری کا
جو میں اتنے میں ہم کو اس بڑے حوال سے دکھا
نظر سے اسکی ہم نے جب تو والے بات کو
کہا اسنے کہ پھینکنا ہو گا اسنے کس طرح بچا

وہیں ہم نے نکالا ڈھونڈ کر بچا گلہری کا
کہیں بچھا ہوا تھا والے برس بارہ کا اک لڑکا
جو میں اسنے وہ بچا آہ یار واک نظر دیکھا
تو اٹھو ہو کے یوں بولا یہی اونکا یہی لونکا

بٹھا دو جلد میرے ہاتھ پر بچا گلہری کا
یہ گھر بے قرار سے وہ لڑکا شوق میں غشٹو
وہ باب اسکلے پکارا ہاں نکالا جلد سے انکو
دیں گھبرائے آپ بچا جہاں ہم تھے کھڑے یارو

غضب جا دو کار کھتا ہے بچا گلہری کا

۱۔ مستقیم سے وہ کو وو نظم کرتے تھے۔

۲۔ نقل مطابق اصل۔

بلبلوں کی لڑائی

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں
اس میں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھڑکھڑائیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑ آئی دائیں بائیں
کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا واہ سائیں

سو سو طرح کی دھوئیں اکدم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں
دو میں تو دونوں کٹ کٹ لڑتی تھیں کر کے گڈا
جب قیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا تنگڑا
خلقت بھی آ کے لڑنی چھوڑا پنا اپنا اڈا
کڑ کی کسی کی چلی ٹوٹا کسی کا ہڈا

سو سو طرح کی دھوئیں اکدم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں
تھی تین کی یہ کشتی چو تھی کو اس میں چھوڑا
اس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھڑکھڑوڑا
پھر تو یہ کھٹکا آ کر ان کشتیوں کا کوڑا
چھوٹا کسی کا ہاتھی بھٹکا کسی کا گھوڑا
سو سو طرح کی دھوئیں اکدم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یار و کل بلبلیں لڑائیں
 اک کسکری جو ماری پڑھ ہم نے پھر فنوں کی
 کشتی میں گھڑی بندھ گئی ان چاروں بلبلوں کی
 سن سن کے چنیں ان کی لڑنے میں مرغوں کی
 سب بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے بھول کی
 سو سو طرح کی دھو میں اک دم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے یار و کل بلبلیں لڑائیں
 سن سن وہ چنیں ان کی چڑیاں جو چوں چوں آئیں
 گوئے پکارے غاں غاں چیلیں بھی چلچلائیں
 سارو، شیر، بیتا، چمکا دریں بھی آئیں
 مرغوں نے گڑو کوں کی کلکلیاں پھر پھرائیں
 سو سو طرح کی دھو میں اک دم میں کر دکھائیں

اس ڈھب سے ہم نے آکر کل بلبلیں لڑائیں
 چائے مورسار میں اور پھر پھڑاے گھگھو
 گد اور چند دھاڑے اور پھر پھڑاے آو
 گئے بھی بھوں کے بھوں گیدر پکارے ہو ہو
 پھڑوے گدھے بھی رہے کہ اپنی دھیس خود پھڑو

سو سو طرح کی دھو میں اک دم میں کر دکھائیں
 اس ڈھب سے ہم نے یار و کل بلبلیں لڑائیں

جب لے چلے وہاں سے ہم بلبلوں کا لشکر
 سب لوگ ہنس کے بولے اس دم دعائیں دیکر
 سب میں میاں نظیر اب تم ہو بڑے قلندر
 یہ کھیل آکرے میں اب خستہ ہونے تھیں پر
 سو سو طرح کی دھوئیں اکدم میں کر دکھائیں
 اس دھب سے ہم نے آکر کل بلبلیں لڑائیں

پودے اور اسے کی لڑائی

اک پودے کا حال عجب سننے میں آیا
 اور پودنی اور بچوں کو تھا اُس میں بٹھایا
 تھا گھونٹلا اک پیڑ او پر اُس نے بنایا
 قد میں تو وہ تھا پودنا چھوٹا سا کہا یا
 پر دل میں وہ گڑھ پنکھ سے ٹھہر تھا سوانا
 گورے کو سمجھتا تھا وہ اک مکھی کا بچا
 اور چیل کو گنتا تھا وہ ناچر پننگا
 بگھے کو بچہ کو سے کا اور بری کو بھنگا
 لکھڑی سے یہ کہتا کہ تو ہے کیا اری چل جا
 ہمنے تڑپے لکھڑ کو ہے چنگی میں اڑایا
 اک رز وہ سار سے لگا کئے چھل کر
 سار نے یہ سن پودے سے یہ کہا ہنکر
 جس پیڑ پر ہم بیٹھے ہیں ہلتا ہے سر سر
 کیا بات تم ایسے ہی ہو بھاری و تناد
 سر پیڑ کو ہے بوجھ تھا مارے نے ہلایا
 رہتا تھا وہ جس پیڑ پر وہ پیڑ تھا برنا
 خوش آیا انھیں اں جو ہری چھاس کا چرنا
 اُسے کہیں اس وقت میں اک ارنی دارنا
 ٹھہرایا انھوں نے اُسی جنگل میں اُترنا

رہنے لگے وہ بھی انھیں صحرا جو وہ بھایا

واں پودنی اور رنی میں بنایا چوہر دن کو وہ لگے رہنے خوشی ہو کے اُسی جا
اور رات کو رہنے لگی وہ رنی کئے جا خوش ہو کے لگی رہنے ہوا پیار جو گہرا

دونوں نے غرض خوب محبت کو بڑھایا

اک روز وہ رنی کہیں چرتی ہوئی آئی اور آتے ہی اُس پیر سے پٹھاپنی بھائی
وہ پیر بلا پودنی سے دھوم مچائی ہو جاوے گی اس بات میں مرد دُشے لڑائی
اس تیرے کھجانے نے بہت ہکو ستایا

ارنی سنسی یسن کے اور ارنے سے کہا جا ارنا بھی ہنسنا اور کہا جا پھر تو کھیا آ
اور آئی کھجانے کو تو یوں پودنا بولا بد ذات یہ تیری نہیں تقصیر میں سمجھا
مثاہد ترے ارنے نے تجھے ہے پر کھایا

کل اس کی سنا پاویگا ارنا ترا بد خو جب صبح لگی ہوئے تو وہ پودنا دلو
آیا جہاں سوتا تھا وہ ارنا پرا خوش ہو دھڑپٹہ گیا کان میں بانڈھ اپنے پردنکو
پچھر پچھر کیا اور پردے میں بچوں کو گڑایا

ارنا لگا گھرانے کو سر شور مچا کر ارنی گری اس پودنے کے پاؤں چا کر
جب پودنی نے اس کے ترس حال کچا کر جلدی سے نکالا اُسے آواز سنا کر
ارنے کو سوا بھاگنے کے کچھ نہ بن آیا

بھاگا غرض ایسا کہ نہ پھر پیچھے کو دیکھا ارنی بھی لٹی بھاگنے ساتھ ارنے کے بھرا
اس بھاگنے میں دونوں نے پچھر پچھر پچھا ارنا تو تیرا اپنے اُدھر خوت سے بھاگا
پاں گھونٹے میں پودنا پھولا زسما یا

کر جاک

دنیا عجب بازار ہے کچھ عینس یاں کی ساتھ لے
 نیکی کا بدلہ نیکی لے بد سے بدی کی بات لے
 میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
 آرام دے آرام لے دُکھ درد دے آفات لے
 کلجاک نہیں کر جاک ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا نقد ہے اس بات دے اس بات لے
 کانتا کسی کے مرت لگا گو مثل گل چھو لاسے تو
 وہ تیرے حق میں تیرے کس بات پر بھولا ہے تو
 مرت آگ میں ڈال اور کو اک گھاس کا پولا ہے تو
 سن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر بھولا ہے تو
 کلجاک نہیں کر جاک ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا نقد ہے اس بات دے اس بات لے
 شوخی شہزادت مکر و فن سرب کا بسکھا ہے یہاں
 جو جو دکھایا اور کو وہ آپ دیکھا ہے یہاں
 کھوٹی کھری جو کچھ کسے تشکا پر لکھا ہے یہاں
 جو جو پڑا تلمتا ہے دل تل تل کا لکھا ہے یہاں
 کلجاک نہیں کر جاک ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے

کیا خوب سودا نقد ہے اس بات دے اس بات لے
 جو اور کی بستی رکھے اس کا بھی بستا ہے بُرا
 جو اور کے مارے چھری اس کے بھی لگتا ہے چھرا
 جو اور کی توڑے دھری اس کا بھی ٹوٹے ہے دھرا
 جو اور کی جیتے بدی اس کا بھی ہوتا ہے بُرا
 کلجگ نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا نقد ہے اس بات دے اس بات لے
 جو اور کو کھیل دیوے گا وہ بھی سدا چل پاوے گا
 گیہوں سے گیہوں جو سے جو چاول سے چاول پاوے گا
 جو آج دیوے گا یہاں ویسا ہی وہ کل پاوے گا
 کل دیوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا
 کلجگ نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا نقد ہے اس بات دے اس بات لے
 جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جس یاں تیار ہے
 آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے
 دنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ بخدھا رہے
 اور دل کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے
 کلجگ نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا نقد ہے اس بات دے اس بات لے

تو اور کی تعریف کرتے تھے کوشت خوانی ملے
 کر شکل آساں اور کی تھے کو بھی آساں ملے
 تو اور کو صمان کرتے تھے کو بھی صمانی ملے
 روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے
 کلجگ نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا نقد ہے اس بات دے اس بات لے
 کر چاک جو کچھ کرنا ہو اب یہ دم تو کوئی آن ہے
 نقصان میں نقصان ہے احسان میں احسان ہے
 تمت میں یاں تمت لگے طوفان میں طوفان ہے
 رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے
 کلجگ نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا نقد ہے اس بات دے اس بات لے
 یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
 نیکوں کو نیکی کا ہرزہ موزی کو ٹکڑ دیکھ لے
 موتی جو دے موتی ملیں پتھر میں پتھر دیکھ لے
 گر تھکے کو یہ یاد رہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
 کلجگ نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا نقد ہے اس بات دے اس بات لے
 اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر

تیرا بھی نقصاں ہو دیکھا اس بات پر تو دھیان کر
 کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیئے تو چھان کر
 یاں پاؤں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر
 کلچاک نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا فقہ ہے اس بات دے اس بات لے
 غفلت کی یہ جاگ نہیں یاں صاحب اور اک رہ
 دل شاد رکھ دل شاد رہ غمناک رکھ غمناک رہ
 ہر حال میں تو بھی نظیر اب ہر قدم کی خاک رہ
 یہ وہ مکاں ہے میاں تو پاک رہ بیباک رہ
 کلچاک نہیں کر جاگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
 کیا خوب سودا فقہ ہے اس بات دے اس بات لے

دنیا دھوکے کی سی ^طہے

یہ پیٹھ عجب ہے دنیا کی اور کیا چیز اچھی ہے
 یاں مال کسی کا بیٹھا ہے اور چیز کسی کی گھٹی ہے
 کچھ پکتا ہے کچھ بجھتا ہے کچھ اٹھاتی ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو نے چوٹا بھارت ہے
 غل شور بولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹی ہے

کوئی تاج خریدے جس میں سر کوئی تخت کھڑا ہوا تھا
 کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی گڈری لٹھ جاتا ہے
 کوئی بھائی باپ چچا نانا کوئی دادا پوتا کھاتا ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو نے رشتہ ہے نے نانا
 غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹی ہے
 کوئی بیٹھھا جن لاکھ پتی بزاز کوئی ہنسی ہے
 یاں بوجھ کسی کا ہلکا ہے اور کھپ کی بھاری ہے
 کیا مائے کون خریدے گا اور کس نے جنس تاری ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو دلال نہ کوئی بیٹاری ہے
 غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹی ہے
 کوئی پھول کے بیٹھے مسند پر کوئی لٹھے اپنی دولت کو
 کوئی بوے اپنا مجھ سے لیا اور میرا ہوسو مجھ کو دو
 کوئی لڑتا ہے کوئی مرتا ہے کوئی جھگڑا ہے کوئی حق کو
 جب دیکھا خوب تو آخر کچھ لینا ایک نہ دینا دو
 غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹی ہے
 رمال نجومی عال ہے اور فاضل ملاسیا نا ہے

کوئی عاقل کامل داتا ہے کوئی مست پرادبوانا ہے
 نغینہ فلیتہ فال فسوں اور جاد و منتر لانا ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو سب حیلہ مکر بہانا ہے
 غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پڑ پانی مٹی سے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
 کوئی نوٹے کوپے گلیوں میں تیار کسی کا دیر ہے
 کوئی باغ کنواں بنواتا ہے اور ٹھیر کسی نے ٹھیر ہے
 منت قضا جھگڑے کرتے ہیں یہ میرا ہے یہ تیرا ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو سب تیرا ہے تیرا ہے
 غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پڑ پانی مٹی سے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
 کہیں دھوم مچی ہے قرضوں کی کہیں قرضوں کا دکھینا ہے
 کوئی مہرا اپنا پرکھا وے اور بچے کوئی چہینا ہے
 ہر روز تقاضا دھرتا ہے دکھ دینا پیہ لینا ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو سب لینا ہے دینا ہے
 غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پڑ پانی مٹی سے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
 کوئی بنیا ہے کوئی نیلی ہے کوئی بیچ پان تھولی ہے
 کوئی سر پر رکھ کر بیچنے کوئی باندھے پھرتا جھولی ہے

کہیں گوں ڈھلی ہے ناہوں کی کہیں تھیلا تھیلا کھوئی
 جب دیکھا خوب تو آحسہ کو اکدم کی بولی کھوئی ہے
 غل شور ہولا آگ ہوا اور کچیر پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
 کوئی ٹوپی پہنے جاتا ہے کوئی پاندھ پھرے عمارت ہے
 کوئی صاف برہنہ پھرتا ہے لے پکڑی لے پا جاتا ہے
 کجواب گڑی اور گارٹھے کانت قصیدہ برہنگا ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو لے پکڑی ہے نے جاتا ہے
 غل شور ہولا آگ ہوا اور کچیر پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
 کوئی بال بڑھائے پھرتا ہے کوئی سر کو گھونٹ منڈاتا ہے
 کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے کوئی ننگے منگے آتا ہے
 کوئی پوجا کتھا بکھانے ہے کوئی چھاپہ تلک لگاتا ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو سب چھوڑا گیا جاتا ہے
 غل شور ہولا آگ ہوا اور کچیر پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے
 کوئی روتا ہے کوئی ہنستا ہے کوئی ناچے ہے کوئی گاتا ہے
 کوئی چھینے چھکے سے بکھائے کوئی دھونس دھوکا لاتا ہے
 کوئی مال اکٹھا کرتا ہے کوئی کچی فصل لگاتا ہے

جب دیکھا خوب تو آخر کو سب جھگڑا کر گڑا جاتا ہے
 غل شور ہوا لا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹی ہے
 کوئی بچے جھنگ شراب فیوں کہیں دودھ ہی کی پھیری ہے
 کوئی یا اس سر پر لاتا ہے کوئی لادے بل میری ہے
 کوئی جھگڑے اپنی جاگہ پر یہ میری ہے یہ تیری ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو سب تیری ہے میری ہے

غل شور ہوا لا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹی ہے
 کہیں بھی ٹیو کی کھوٹی ہے کہیں گھاس کی پانی پوتی ہے
 کہیں چھلنی چھانچ پٹارے ہیں کہیں چوٹھا ٹکڑی جوتی ہے
 نوکاری بگین ساگ پڑا کر گانڈا کا جرمولی ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو سب چھوٹ دیکھت بھولی ہے

غل شور ہوا لا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹی ہے
 کہیں بان اٹیری ٹاٹ کڑی کہیں سرخ چرخ نکالا ہے
 کہیں روگ روپا خوردہ ہے کہیں کوڑی پیسہ سیلا ہے
 کہیں ڈھانچ پلنگ کا بکتا ہے کہیں چھینکا رسی رسا ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو سب پڑھی کھاٹ چرخاب ہے

غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی مٹی ہے
 کوئی شکر بازار اڑاتا ہے کوئی ہاتھ پر رکھتا ہے
 شہباز کوئی لے بیٹھا ہے اور ڈور کسی نے دتا ہے
 ہے نار کسی کے ہاتھوں میں اور ناچتی پھرتی تلی ہے
 جب دیکھا خوب تو آخر کو نے رشیم سوت نہ تلی ہے

غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی مٹی ہے
 اب کس کا رنگ بُرا کہئے اور کس کا روپ بھلا کہئے
 اک دم کی سیڑھ لگی ہے یہ انبوہ فرا چرا کہئے
 یہ سیر تماشا دیکھ لے اب جا کہئے بیجا کہئے
 کچھ بات نہیں بن آتی ہے چپ چاپ بھلی ہو کر کہئے
 غل شور بولا آگ ہوا اور کچھ پانی مٹی ہے
 ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی مٹی ہے

حصہ دوم

عبادت اور خدا پرستی

دلا تو کہنے کا میرے یقین جان میاں جو بات تجھ سے کہوں میں سے تو دان میاں
 بے کھو تو عمر کو غفلت میں ہر زمان میاں دہن میں بھرتی ہے جتنی تری زبان میاں
 خدا کا نام لیا کر تو آن آن میاں
 علی جہاں میں تجھے یہ جو زندگانی ہے یہ چند روزہ بے جاں نہ جاودانی ہے
 عبادت اُس کی میاں نہیں ہے کھاتی اوسے کر دو نون جہاں یہ سج خادمانی ہے
 وہی تو کر جو رہے تو بھی شانیں میاں
 جو ہر طرح تو عبادت میں دل لگا دے گا تو یاں بھی خوش رہے گا واں بھی خوش تو ہو گا
 ہزاروں فائدے دلخواہ اس میں پاوے گا اور اپنی عمر جو غفلت میں تو گنواوے گا
 تو اس میں ہو گا زیادہ تر ازیاں میاں
 نماز پڑھ کے ذرا صنع کے چمن کو دیکھ ہمارا غم عنایات ذوالحسن کو دیکھ

ریاض روح کو اور گستان تن کو دیکھ
 نعم و راحت و آرام و پیرہن کو دیکھ
 کہ ہیں خدائے یہ الطاف بیکران میاں
 لبوں کو زیب دے قرآن کی تلاوت سے
 خوشی ہو دل کو ترے غلہ کی طہارت سے
 خبر چاہیے افضال کی بشارت سے
 ہرن کا حسن بڑھا طاعت و عبادت سے

اسی میں خوبی ہے تیری بہر مکان میاں
 کئے گناہ تو رنج و عذاب دیکھے گا
 روزِ حشر بہت پیچ و تاب دیکھے گا
 وگر صواب کرے گا ثواب دیکھے گا
 خوشی سے اپنے تئیں کامیاب دیکھے گا
 ہمیشہ حسنِ عمل سے لگا تو دھیان میاں
 یہ زندگی ہے غنیمت اسے تو منتِ نطو
 خدا کا شکر بھی لا ہر اک طرح خوش ہو
 یہ دنیا ہرزہ عقبی ہے اس میں نیکی ہو
 کہا قطب نے جو تجھ سے یاد رکھ اس کو
 اسی میں تیری سعادت کا ہر نشان میاں

خدا دینے والا ہے

اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زبان بٹائے
 اور دہلے دل کا کسی کو تو مت سُناے
 مانگ اس سچ جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کر کھائے
 مشہور یہ مثال ہے کہوں کیا میں تجھے ہائے
 خیر از خدا ہے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
 مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلاے

قادرِ قدیر خالق و حاکمِ حکیم ہے
 مالکِ ملکِ حی و تواناِ قدیم ہے
 دونوں جہاں میں فاتِ ہی کی کریم ہے
 یعنی اوسی کا نام غفور الرحیم ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

ستار ذوالجلال خداوند گردگار رزاق کار ساز مددگار دوستدار
انسان و یوحنا و پیری و مور و مار جاری اویسی کے ہاتھ سے ہیں سب کے کار و بار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

کہنے کے تئیں اگرچہ وہ اب بے نیاز ہے پر سب نیاز مند و کل اس پر ہی ناز ہے
جتنے ہیں بندے سب کا وہ بندہ نواز ہے جتنی ہے خلق سب کا وہی کار ساز ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اہل جہاں ہیں جتنے تو ان سب کا چھوڑا ہاتھ لے پاؤں طرکی کے تو اسے دل نہ جوڑا ہاتھ
دو ہاتھ والے جتنے ہیں ان سب سے موڑا ہاتھ اس سے ہی مانگ جسکے میں اب سو کر وڑا ہاتھ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اسکے سوا کسی کے کہنے گر تو جائے گا اس آبرو کو اپنے تو ناحق گنوائے گا
شرمندہ ہوئے یوں ہی تو خالی بکھڑائے گا بن حکم اس کے یار تو اک جو نہ پائے گا

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زوسیم وعل در کو تو بارے ہی سے بانگ حند و حق بان حسن کے پٹارے ہی سے مانگ

پسیا جو مانگتا ہے تو جہاں اسی سے مانگ کڑی بھی مانگنی ہے تو پیارے ہی سے مانگ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گروہ دلا یا چاہے تو دشمن بھی لا دلائے اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر پناہ نہ چھوٹا

بن حکم اُس کے رونی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے گر چلو پانی مانگو تو ہر گز نہ کوئی پلائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار جس کو سمجھا ہے تو سیٹھ سا ہو کار یہ سب اسی سے مانگے ہیں دن رات بار بار

ہر گز کسی کے سامنے مت ہاتھ کو پیار پوری ترے اسی کے دے سے پڑی یار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار مالدار کے مت پھر تو اس پاس محتاج ہو کے آپ وہ بیٹھا ہے جی اداس

مال باپ یار دوست جگر حبیب ہو ہر اس ہر دم اسی کریم کی رکھ اپنے دل میں اس

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر اللہ ہی غنی ہے میاں اور سب فقیر

کیا گنج و فلک مال و مکان تاج کیا سر جو مانگتا ہے اُس سے ہی مانگو میاں نظیر

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گل رستہ قدرت

دنیا کا چمن یار وہ ہے خوب یہ آریستہ سرسبز رہے اسکا ہر سبزہ پوستانہ
 ہر بچھول کے آنے کا جاری ہے سدا رستہ ہر شلخ منقطع ہے ہر برگ سے پوستانہ
 دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر رستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گل رستہ

یاں ارض و سما تارے جو آن کے جھولے ہیں جن دیو پری، آدم یا باؤ بولے ہیں
 سب وحشی و طائر ہیں یا گھاس کے پوٹے ہیں کچھ اور نہیں یار دیو گل وہی بھولے ہیں
 دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر رستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گل رستہ

ہر شہر و وہ قصبہ سب بھولوں کی ڈلیاں ہیں کوچے ہیں موٹھنے ہیں گلیاں میں سو کلیاں ہیں
 دیوار و دروازے سب کیا ریاں ڈھلیاں ہیں اینٹ اینٹ میں ہر گھر کے کیا زنگاں ہیں لیاں ہیں
 دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر رستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گل رستہ

انبوہ ہے غفلت کا اور گل کی قطاریں ہیں شاخونکے تراکم ہیں برگوں کی براریں ہیں
 جو اپنی کھڑے ہو کر خوبی کو سنواریں ہیں سب اپنے ہی عالم میں دم حسن کا ماریں ہیں
 دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر رستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گل رستہ

کتاب ہے یہ گل ہر دم میں عطر سر ہوں اور سیوتی کہتی ہے میں اس سے عطر ہوں
 بیلا یہ پکارے ہے میں چاندی کا پتر ہوں گل اشرفی کہتی ہے وہ کیا ہے میں بتر ہوں
 دنیا نہ کہو اس کو یہ رہا ہے سر بستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گل دستہ

لالہ یہ سناتا ہے میں لال کا پیالہ ہوں سونج مکھی کہتی ہے میں اسکی بھی خلابوں
 صدر برگیدہ کتاب ہے میں سنو درجہ میں بالاموں گل جعفری کہتی ہے میں اس سے بھی عالی ہوں
 دنیا نہ کہو اس کو یہ بلخ ہے سر بستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گل دستہ

نسرین و من شہو گچا ہے شرمیا کا نیلوم سرو نافرماں ہے روپ کنجیا کا
 دابیل چنبیلی بھی جلوہ ہے دلنیا کا دم بھر تابے جنت سے ہر کپول کٹیا کا
 دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گل دستہ

کتاب ہے کنول ہر دم میں پاک نازی ہوں اور مونگر کہتا ہے میں ہر دم ہوں غازی ہوں
 سوسن کی زباں بولی میں ترکی تازی ہوں کہتی ہے گل عباسی میں سب سے تازی ہوں
 دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے یہ گل دستہ

مدھ مالتی ناگیہ سر اور موسری کرنا دوسر یا داؤدی گل چین کھل برنا
 زکس بھی پکارے ہے مجھ پر یہ نظر کرنا پیچھے کو سہاگن کے سو عشق کے دم بھرنا
 ملے سے ملے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے بگلہ بستہ
 گل کیوڑا یہ کتنا ہے کیا مجھ کو ترا شاہ ہے
 اور موتیا شفتا لوزر سیم کا شاہ ہے
 اور کیتی کی کستی ہے صندوق کا ترا شاہ ہے
 اور رنگ حنا نخل جو ہے سو کا شاہ ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے بگلہ بستہ
 ڈیلے و کیریوں کی کیا پنکھڑی ڈالی ہے
 بگئے موتیاں کی کچھ بات نرالی ہے
 چمپا و بھچپا ہے موتی کی بالی ہے
 گل چاندنی کستی ہے میری ہی اہالی ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے بگلہ بستہ
 دستار پہ گل طرہ کیا شان جھاتا ہے
 اور پھول نواڑی کا جگرے کو بھاتا ہے
 کدکا بھی ادھیڑ اپنی کلاں کو بلاتا ہے
 جو گل بے سوا اپنے ہی جو بن کو دکھاتا ہے

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے بگلہ بستہ
 بن آگتری ٹیسو کیا پھول رہے بن بن
 کتا ہے پیا بالنا ہے حسن مرا سو سن
 مسروں ہے اڑوسا ہے پھر در ہی رسن بن
 درسن یہ پچا ہے بے ادیکھ لے سکھ درسن

دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سر بستہ
 کیا دست نے قدرت کے باندھا ہے بگلہ بستہ
 قدرت نے بنا جسکی اس باغ کی ڈالی ہے
 کیا بولیں نظیر آگے کیا خوبہ مالی ہے

کیا نخل کا ڈالا ہے کیا پھول کی ڈالی ہے
 سب کا وہی وارث ہے سب کا وہی وارث ہے
 دنیا نہ کہو اس کو یہ باغ ہے سرسبز
 کیا دست نے قدرت کے باندہ غایہ گلرستہ

دنیا

یہ جتنا خلق میں اب جا بجا تماشا ہے
 جو غور کی تو یہ سب ایک کا تماشا ہے
 تجا تو کم اسے یار و بڑا تماشا ہے
 حد ہر کو دیکھو اُدھر اک نیا تماشا ہے
 غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

مرے یہ دیکھ تماشے نہیں ہیں موش بجا
 کسے بتاؤں میں سیدھا کسے کہوں الٹا
 جو طلسم حقیقی وہ جاوے کتب سمجھا
 عجب ہمار کی اک سیر ہے اہا ہا ہا

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

نہیں ہے زور جنہوں میں وہ گشتی لڑتے ہیں
 جو زور و لے ہیں وہ آپ سے پچھتے ہیں
 جھپٹ کے اندرے بیروں کے تئیں کھینچتے ہیں
 نکالے چھاتیاں کپڑے بھی سب کٹتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

بنا کے نیار یا زر کی ڈکان بیٹھا ہے
 جو ہنڈی وال تھا وہ خاک چھان بیٹھا ہے
 جو چور تھا سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے
 زمین پھرتی ہے اور آسمان بیٹھا ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

زباں ہے جسکے اشارے سے وہ بکا رہے ہے
 جو گو بچا ہے وہ کھڑا فارسی بگھارے ہے
 کٹاہ سنس کی کو اکھڑا تارے ہے
 اچھل کے مینڈ کی ہاتھی کے کھاتارے ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

کپڑے اپنی پٹری ذات کے نیلے ہیں

سگھر تو مر گئے آؤ شکار کھیلے ہیں

جو ہیں نجیب نسب کے وہ بندے چیلے ہیں

جو باز شکرے تھے پاؤں پھڑے وہ بیلے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

جو ڈاڑھی منڈے ہیں انکی سند گواہی ہے

اُجاڑ شہر میں مردونگی بادشاہی ہے

جھوٹوں کی ڈاڑھی ہے انکی تو بات واپسی ہے

سیاہی روشنی اور روشنی سیاہی ہے

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

جو کان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دھتے ہیں

کباپ بھگتے ہیں اور طیر سے بھگتے ہیں

جھوٹوں کے کان نہیں دور کی وہ سنتے ہیں

دھوئیں برستے ہیں اور ابر تنکے چنتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

جو آدمی ہیں وہ اُن کے پانوں پر تپتے ہیں

یہ قہر دیکھو کہ زندوں سے مرے لڑتے ہیں

خصیٹ دیو پید آہر اک سے اڑتے ہیں

بلائیں لیتے ہیں اور بھوت جن جھگڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

بنوے پلتے ہیں انکو رآم سڑتے ہیں

بخیل موتیوں کو منسلوئے سے پھرتے ہیں

کھلے ہیں آنکھ کے پھول اور گلاب جھڑتے ہیں

سخی کریم پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

حقیر تھے سو ہوئے سب میں صاحبِ توقیر

اچھے خلق کے کیا کیا کردوں ہیاں میں ظہیر

غریب جو تھے ہوئے چشم میں سبھوں کے حقیر

عجب طر علی ہوائیں ہیں اور عجب تاثیر

غرض میں کیا کہوں دنیا بھی اک تماشا ہے

فقر

جتنے تو دیکھتا ہے یہ بیل بھول پات ہیں
 فاتا ہے یا بجنا تھ جو رشتہ ہے سونگیل
 سب اپنے اپنے کام میں ہیں کر چھیل
 جو غم پڑے سو اس کو تو اپنے ہی تن چھیل

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو بٹری نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ صورتیں جو دیکھے ہے مت الہ بد دل لگا
 مجرہ کلاہ پھینکا راوے جھکا لگا
 بڑیں ہیں سوتیاں نہیں اے یار مت جگا
 آگے کو چھوڑنا تھ نہ پیچھے کو رکھ گچھا

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو بٹری نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جب تو ہوا فقیر تو نا تا کسی سے کیا
 مطلب بھلا فقیر کو بابا کسی سے کیا
 چھوڑا کٹم تو پھر بارشتہ کسی سے کیا
 دلبر کو اپنے چھوڑ کے مرنا کسی سے کیا

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو بٹری نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

تیری نہ یہ نہیں ہے نہ یہ تیرا آسمان
 اس کے سوا کہ جس کا ہوا تو فقیر یاں
 تیرا نہ گھر نہ بار نہ تیرا یہ جسم جاں
 کوئی قرار فقیر نہ سنا تھی نہ مہرباں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو بٹری نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دیتا ہے دل کو اپنے لئے ہر کسی ہات
 جس یار سے کہ ہوترے جیتے ہوئے کاسات

اور یہ جو تجھ سے کرتے ہیں مل ملکے ٹھیک بات مارا پڑے گا دیکھ نہ کھا ان کی بات گھات

گر بے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو نہ بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ افقتیں کہ ساتھ ترے آٹھ پہر ہیں یہ افقتیں کہیں ہیں مری جان پہر ہیں

بٹنے یہ شہر دیکھے ہیں جادو کے شہر ہیں جتنی مٹھا میاں ہیں مری جان نہ ہر ہیں

گر بے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو نہ بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جس کا توبے فقیر اسی کو سمجھ تو یار مانگے تو مانگ امی سے تو کیا نقد کیا ادھکا

دیوے تو لے دیوے جو نہ دیوے تو دھنہ مار اس کے سوا کسی سے نہ رکھ اپنا کاروبار

گر بے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو نہ بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا اسے نہ جان یہ دریا سے قہر مار لاکھوں میں اس سے کوئی اتر کر ہوا ہے بار

جب تو بہا تو پھر نہ ملے گا تجھے کنار ملاج یاں نہ ناؤ نہ بلی ہے میرے یار

گر بے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو نہ بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا نہ کہہ اسے یہ طلسمات ہیں میاں یہ جہان تو یہ باغ یہ گلزار یہ مسکاں

شکلیں جو دیکھتا ہے یہ جادو کی ہیں عیاں سب کچھ ترے تمیں ہیں بڑھو کے گڑھیاں

گر بے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل

یاں تو نہ بڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

کیا فائدہ اگر تو ہوا نام کا فقیر ہو کر فقیر تو بھی رہا حال میں امیر
 ایسا ہی تھا تو فقر کو ناحق کیا پذیر ہم تو اسی سخن کے ہیں قائل میاں نظر
 گریبے فقیر تو تو نہ رکھیاں کسی سے میل
 یاں تو بٹری نہ میل پراپنے سر پھیل

مکافات

ہے دنیا جس کا ناول میاں یہ زور طرح کی بستی ہے
 جو ہنگوں کو تو ہنگی اور سستوں کو یہ سستی ہے
 بال ہر دم جھگڑے اٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے
 گریست کرے تو بستی ہے اور پست کرے تو بستی ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو اور کسی کا مان رکھے تو اس کو بھی ارمان ملے
 جو پاں کھلاوے پاں ملے جو روٹی دے تو نان ملے
 نقصان کرے نقصان ملے احسان کرے احسان ملے
 جو جیسا جکے ساتھ کرے پھر ویسا اس کو آن ملے
 کچھ دیر میں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو اور کسی کی جان بخشے تو اس کی بھی جان رکھے

جو اور کسی کی آن رکھے تو اُسکی بھی حق آن رکھے
 جو یاں کا رہنے والا ہے تو دل میں اپنے جان رکھے
 یہ تڑپ پھرت کا نقشہ ہے اس نقشے کو پہچان رکھے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرواؤ اس ہاتھ لے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو پارا تارے اوروں کو اُس کی بھی ناؤ اتری ہے
 جو غرق کرے پھر اسکو بھی یاں ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے
 شمشیر تبر بندوق سناں اور شتر تیر اترنی ہے
 یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرواؤ اس ہاتھ لے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو اور کا اونچا بول کرے تو اس کا بول بھی بالاس ہے
 اور دے چکے تو اس کو بھی کوئی اور چکے والا ہے
 بے ظلم و غلط جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
 اس ظالم کے بھی لو ہو کا پھر بہت اندی بالاس ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرواؤ اس ہاتھ لے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو مصری اور کے منہ میں دے پھر وہ بھی شکر کھاتا ہے
 جو اور کے تئیں اب ٹکر دے پھر وہ بھی ٹکر کھاتا ہے

جو اور کو ڈالے پکڑ میں پھر وہ بھی چکر کھاتا ہے
 جو اور کو ٹھوکر مار چلے پھر وہ بھی ٹھوکر کھاتا ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو اور کسی کو ناحق میں یہ جھوٹی بات لگاتا ہے
 اور کوئی غریب بچارا ناحق ناحق میں لٹ جاتا ہے
 وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے اور لاکھٹی پاٹھی کھاتا ہے
 وہ جیسا جیسا کرتا ہے پھر ویسا ویسا پاتا ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو اور کی پکڑی لے بھاگے اس کا بھی چور اچکا ہے
 جو اور یہ چور کی بٹھلا دے اس پر بھی دھوڑن دھڑکا ہے
 یاں پشتی میں تو پشتی ہے اور دھکے میں یاں دھکے
 کیا زور غرے کا جھکٹ ہے کیا زور یہ پھیر پھیر کا ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 ہے کھٹکا اس کے ساتھ لگا جو اور کسی کو دے کھٹکا
 اور غریب سے جھٹکا کھاتا ہے جو اور کسی کو دے جھٹکا
 چیرے کے بیچ حیرا ہے پٹکے کے بیچ جو ہے پٹکا

کیا کہئے اور نظیر آگے ہے زور تھا مٹا جھٹ پٹ کا
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا و ست بدستی ہے

طالعہ زندگی

اے کیا کہئے رہی یاں جب تک اپنی حیات
 جب موتے پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات
 تھے بندھکے کیا کیا تعلق اپنے جیسے ہی کے ساتھ
 زندگی اپنی تھی کل چوتھ گھڑی کی کاؤٹ

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم یہ گزری وارڈ

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم بادشاہی ہو چکے
 صاحب تاج و تیس فرمانروا بھی ہو چکے

ایک ملک و مکان کشور گشا بھی ہو چکے
 عاجز و مقلس فقیر و بے نوا بھی ہو چکے

اتنے ہی عرصے میں کیا کیا ہم یہ گزری وارڈ

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر وہی دن رات میں ہم ہو گئے حشت پناہ
 بخشی و میر و وزیر و منشی و دلچان و شاہ

مختب کتوال اقضیٰ صدر مفتی اہل جہاں
 اس قدر تو عمر جس میں یہ تماشے واہ واہ

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم یہ گزری وارڈ

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم عارف و کامل ہوئے
 صاحب کشف کرامت اور روشن آل ہوئے

عالم و فاضل، فقیہ و جلیل و عامل ہوئے
 تھی یہی فرصت اسی میں خاک مٹی گل ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم یہ گزری وارادت

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر ہی دن رات میں ہم پونے اور بیٹا ہوئے
سولے کسے بھائی، ماموں اور چچا تیا ہوئے

پھر ہمیں بابا، ہمیں نانا، ہمیں دادا ہوئے
تھی یہی فرصت اسی میں دیکھنے کیا کیا ہوئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم یہ گزری وارادت

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر ہی دن رات میں کیا کیا بتائے ہم نے گھر
بیٹھ کر عشرت بھی کی اور بھیک مانگی در بدر

مسجد و تالاب و مندر و حجرہ و دیوار و در
تھے مسافر پھر اسی میں کر گئے آخر سفر

اتنے ہی عرصے میں کیا کیا ہم یہ گزری وارادت

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر ہی دن رات میں ہم دلربا بھی ہو گئے
پرگنہ مست و خراب و پار سا بھی ہو گئے

عاشق و فاسق اسیر و مبتلا بھی ہو گئے
تھی یہی فرصت اسی میں تھا جو ہونا ہونا ہو گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم یہ گزری وارادت

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر ہی دن رات میں ہم کو بھی زندگی بھر گئے
خاک چھائی اور ہزاروں لقمہ کیا کیا کر گئے

بس ہزار اجناس اور بن چکے سودا گر گئے
تھی یہی فرصت، انھیں جھگڑوں میں آخر مر گئے

اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم یہ گزری وارادت

رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر ہی دن رات میں ہم کھیتیاں بھی ہو گئے
شخصتِ عامل مقدم ہو کے قانون گئے

پھر سیاہی ہو سپر شمشیر کو بھی رو گئے پھر اسی میں تھا جو ہونا ہلو وہ ہو گئے
 اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم یہ گزری واردات
 رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات
 پھر اسی دن رات میں پناہ بیاہ اور ہرات لڑکے بالے بھی اسی میں ہو گئے پھر کھڑک سات
 دیکھ لی ہوئی دوائی عید بھی اور شب ہرات پھر اسی میں چلے بسے آخر کو رکھ چھاتی پہ بات
 اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم یہ گزری واردات
 رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات
 پیشے ہیں جتنے جہاں میں کیا صغیر و کیا کبیر سب کئے ہم نے یہاں ہر حال میں ہو کر میر
 طفل سے ٹھہرے جواں اور پھر جواں کو بن کر پھر اسی میں پیر ہو کر مر گئے آخر لفظ میر
 اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم یہ گزری واردات
 رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

دم کا تماشہ

جہاں میں جبت تک یار و ہمارے جسم میں دم ہے کبھی مہنسا کبھی رونا کبھی شادی کبھی غم ہے
 کہیں کس کس سے کیا کیا ایک دم کیا کھ عام ہے مگر جو صاحب دم ہے وہ اس نکت سے محرم ہے
 جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے
 نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادوم ہے
 مشقت محنتوں سے جمع کرنا دام درجہ کا تعلق رنج و راحت کا تفکر بشا و رکھ کا
 کبھی سامان عشرت کا کبھی سیلاب مائت کا کہوں کیا کیا غرض یار و یہ جہاں ہے سب آدم کا

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جا دم ہے

اسی دم کے کہوں میں سیمہ اور زمیں کھڑے ہیں اسی کے واسطے عطر اور نگلابوں کے ترشے ہیں
جلیبی، امرتی، برفی، گلابی لڈو پیرے ہیں غصن میں کیا کہوں یار و یہ دم کی گنجیریں ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جا دم ہے

اسی دم کے لئے کیا محل سنگیں ترشے ہیں اسی کے واسطے زریں کے تولے دھاتے ہیں
بہار و باغ و صحرا صیدا و شکرے دھاتے ہیں فقط دم کے ہی آنے کے یہ سب یار و تماشا ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جا دم ہے

اسی آدم کی پوشاکیں ہیں رنگیں عطر میں دہنی اسی کے واسطے ہے سب طرح داری و مرغوبی
گدائی، یاد شاہی، عاشقی، رندی و محبوبی اسی دم کے ہی آنے کی ہے یار و یہ خوبی

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جا دم ہے

اسی دم کے لئے افیوں شراب پوست بنگیں ہیں نئے مستی ترانے عیش و عشرت کی ترنگیں ہیں
محبت و دوستی خلاص الفت صلیح جنگیں ہیں اسی دم کے ہی آنے کی یہ سب یار و انگیں ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جا دم ہے

یہی دم باقی گھوڑے پالکی ہو ج چڑھتا ہے یہی دم بکیسی میں اتنگے پاؤں سے کھڑتا ہے

کوئی مفلس ہو گھٹتا ہے کوئی عمرہ ہو بڑھتا ہے جو کچھ ہے اونچ نیچ اے یار و سب دیم ہی کر دھتا ہے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادوم ہے

اسی دم کیلئے یہ سب بنے ہیں سکھ زلمنے کے فرے عیش و طرب کے اور تحمل دکھا اٹھانے کے
جہاں تاک شادی و غم ہیں جہاں کارخانیکے یہ سب کھسکھسکے ہیں اے یار و اسی اکدم کے انیکے

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادوم ہے

اسی دم کے لئے بدلی میں بگلوں کی قطاریں ہیں اسی کے واسطے ابرو ہوا اور مینہ کی دھاریں ہیں
چمن گنزار بوٹا پھول کھل رہا بشاریں ہیں نظیر اب کیا کہے یار و یہ سب دم کی بہاریں ہیں

جو آیا دم تو آدم ہے اسی آدم کا آدم ہے

نہ آیا دم تو پھر دم میں نہ آدم ہے نہ جادوم ہے

ایرو

دھک کی دولت ہو تو اسکو بھی تباہی ہو جھٹے سکھ سے رہنا خلق میں خوش و تنگاہی ہو جھٹے

روشنی کو غم کی ہر جاگہ سیاہی ہو جھٹے صحت و حرمت کو نیت جہنم پناہی ہو جھٹے

تندرستی کو نیٹ فضل الہی ہو جھٹے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی ہو جھٹے

صحت و حرمت سے گراں دیاں کرے نباہ اس برابر کون سلبے پھر جہاں میں غر و جاہ

اب جو ہم اس بات کے رتبے کو کرتے ہیں نگاہ کیا کسی عاقل نے یہ نکتہ کہا ہے واہ واہ

تندرستی کو نیٹ فضل الہی بوجھے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھے

اسکے سب محتاج ہیں اب شاہ سے لئے تاکدا جس سے تن سالحم رہے اور پیٹ حرمت بکھرا

آبرو اور تندرستی جس کو حق نے کی عطا پھر کہاں میں اس سایا رو کو شاہی بادشا

تندرستی کو نیٹ فضل الہی بوجھے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھے

دولتیں جتنی ہیں سب ان دولتوں سے ہیں لگے آبرو اور تندرستی سے حرمت سے گڑے

عزت و حرمت بڑی دولت ہے اللہ رکھتا ہے ہر گھڑی ہر آن ہر دم خلق میں پیار سے

تندرستی کو نیٹ فضل الہی بوجھے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھے

آبرو دنیا میں یا د موتی کی سی آب ہے تندرستی اور بھی پھر عیش کا اسباب ہے

جس کئے ہے یہ اسی کا سبب بداد ہے نادر ہیں تو زندگی یہ پھر خیال خواب ہے

تندرستی کو نیٹ فضل الہی بوجھے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھے

میں جہان تک خلق میں پروجاں خرد و کبیر عالم و فاضل گداؤ بادشاہ میر و وزیر

ہیں تو نگر کیا غنی کیا بینوا اور کیا فقیر سب جہاں میں ہیں اسی نکتہ کے قائل نظر

تندرستی کو نیٹ فضل الہی بوجھے

آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھے

تندرستی

ہیں مرد اب وہی کہ جنہوں کا ہے فنِ درست حرمت انہوں کے واسطے جن کا چلن درست
رہتا نہیں کسی کا صد مال دھن درست دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

و نیا میں اب انہوں کے نہیں کہے بادشاہ جن کے بدن درست ہیں دن رات سال و ماہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ ایسی پھر اور کون سی دولت ہے واہ واہ

جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری و شمت پناہی ہے بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہے
یہ تندرستی یار و بڑی یاد شاہی ہے سچ پوچھئے تو عین فضل الہی ہے

جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گرد و لتوں سے اس کا بھر ہے تمام گھر بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زہر
ہو تندرست اگرچہ یہ مفلس ہے سر بسر پھر ہے کسی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر

جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تندرست ہو بے زہر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو

قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو

جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں ہو تندرستی اور ملے حرمت سی آب و نال

قسمت سے جب یہ دونوں میسر ہوں کھڑو ہا پھر ایسی اور کون سی نعمت ہے میری جاں

جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

پر و انہیں اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو محتاج حق سوا یہ کسی اور کا نہ ہو

حسن و جمال علم و ہنر گر ملا نہ ہو اک تندرستی چاہئے کچھ ہوئے یا نہ ہو

جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار اگرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ تو اس کو جانئے کہ گدا سے بھی ہے تباہ

ہم تو ایسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ اب جس کا تن درست ہو حرمت سے ہو پناہ

جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں اگرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے کنے اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھننے

بھتر میں مفلسی کے میاں چاہئے چنے جو تندرست ہیں وہی دوٹھا ہیں اور بنے

جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں لہریں بستیاں پھر سو طرح کے عیش ہیں ورے پرستیاں
کھانیکو نعمتیں ہوں ویا فاقہ مستیاں سب عیش اور فرے ہوں جو ہوں تندرستیاں
جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

آیا جو دل میں سیر چین کو چلے گئے بازار، چوک، سیر، تماشے میں خوش ہوئے
بیٹھے اٹھے خوشی سے ہر اک جا چلے پھر جاگے فرے میں رات کو یا خوش ہو سو رہے
جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل جب تک یہ کل بنی ہے تو ہے آدمی کو کل
گر ہو خدا سخاوت سے اک کل بھی چل بچل پھر لے خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل
جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ادنیٰ ہو یا غریب تو نگر ہو یا فقیہ یا بادشاہ شہر کا ہو یا کوئی وزیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دہندہ جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیر
جتنے سخن ہیں سب میں ہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

سچاوت

تو وار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو تنزین بن سکھ سے ترسانہ اپنے تن کو

جو زر چلن چلیں ہیں ایل تو بھی اُس چلن کو
 ہر شد کا ہے یہ نکتہ رکھ یاد اس سخن کو

دلکی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

یہ نعمتیں ہیں عتیقی جو کچھ ملے سو کھا جا
 تاش اور بادے میں اک بار جگمگا جا

پاپی تجیل مست بن دانا سخن کہا جا
 اک دم تو اپنا ڈنکا من ماننا بجا جا

دلکی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو جو کھیل کٹن زر چھوڑ کر مرے گا
 یا کھائے گا جنوائی یا خالصہ لگے گا

تیرا وہی ہے جو کچھ راہ خدا میں دیگا
 کھاتا کھلاتا ہنستا تو بھی سدا رہیگا

دلکی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آپڑے گا تجھ پر کچھ عادتہ غفل کا
 مالک پھر اور کوئی ٹھہریگا تیرے دل کا

آگے سے دے دلا کے پورہ تو اُس سے ہلکا
 کر فکر اپنے دل میں کچھ آج کا نہ کل کا

دلکی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زردیا ہے پھر وہ ہی دھن بھی دیگا
 مال و مکاں حویلی باغ و چمن بھی دیگا

جیتا رہے گا جب تک کھانسیکون بھی دیگا
 مر جاویگا تو وہ ہی تجھ کو کفن بھی دیگا

دلکی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

جتنے گڑے دیے ہیں سب کھالے اور کھالے رکھ دھن اسی کی دلیں کھالے اور کھالے
اپنا سمجھ اسی کو رب کھالے اور کھالے اب تو نظیر تو بھی سب کھالے اور کھالے

دل کی خوشی کی خاطر حکم ڈال ل دھن کو
گر مردے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

استغنا

گر بادشاہ ہو کر عمل ملکوں ہوا تو کیا ہوا
دودن کا نہ سنگھا بجا بھوں بھوں ہوا تو کیا ہوا
غل شور ملک و مال کا کوسوں ہوا تو کیا ہوا
یا ہو فقیر آزاد کے رنگوں ہوا تو کیا ہوا

گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دودن ہوا تو کیا ہوا
دودن تو یہ چرچا ہوا گھوڑا ملا ہاتھی ملا
بیٹھا اگر ہو دے اوپر یا پالکی میں جا چڑھا
آگے کو نگارہ نشان پیچھے کو فوجوں کا پرہ
دیکھا تو پھر اک آن میں ہاتھی نہ گھوڑا نہ گدھا
گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دودن ہوا تو کیا ہوا

یہ دولت و اقبال ہے پہنا زری اور بادلا
مسند سنہری دی کچھا کچھو اب کے تنکے لگا
آخر نہ وہ دولت رہی نہ آپ نہ وہ گھر رہا

مسند کہیں جاتی رہی تکیہ کہیں چلتا بننا

گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دلوں ہوا تو کیا ہوا
یا عشرتوں کے ٹھاٹھ تھے اور عیش کے اسباب تھے
ساقی صراحی نگاہ بن جاہم شراب ناب تھے
ہاں بیکسی کے درد سے بے آب تھے بیتاب تھے
آخر جو دیکھا دوسو تو پھر کچھ خیال خواب تھے

گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دلوں ہوا تو کیا ہوا
تھا ایک دن وہ دھوم کانکے تھا جب اسوار ہو
ہر دم پکارے تھا نقیب آگے بڑھو پیچھے رہو
یا ایک دن دیکھا اسے ترنا پڑا پھرتا ہے وہ
بس کیا خوشی کیا ناخوشی یکساں ہیں سب سے دوست
گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دلوں ہوا تو کیا ہوا

جب شہنشاہ کی شان میں کرتا تھا کیا کیا شہنشاہ
ہر دم تکبر کے سخن ہر آن میں معنہ و ریائی
اور اڑ گئی دولت یہ پھر اسباب کے تختے کہاں
آکر فنا حاضر ہوئی سب مٹ گئے نام و نشان
گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دلوں ہوا تو کیا ہوا

یا غمستیں کھاتار ہاد و ملت کے دسترخوان پر
میوے مسٹھائی باضرہ حلوائے ترشیر و شکر

یا باندھ جھولی بھیک کی ٹکڑوں کے اوپر دھڑل نظر
 ہو کر گدا پھرنے لگا ٹکڑے کے خاطر در بدر
 گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دول ہوا تو کیا ہوا
 یاد وستوں کے سامنے اگر تھا اک دریا بہا
 لے کر زمین تباہ سماں دولت میں پھرتا تھا پڑا
 یا ہو کے مفلس بے نوا پھر تباہی واسے مانگتا
 جب آگئی سر پر اجل دم بھر میں سب کچھ مٹ گیا
 گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دول ہوا تو کیا ہوا
 گر ناز و لغمت میں رہا یعنی کہ وہ زردار تھا
 یا مغسی کے ہاتھ سے خراج ہو در در پھرا
 جب وقت پہنچنے کا ہوا نے یہ رہائے وہ رہا
 آیا تھا جس احوال سے ویسا ہی آخر چل بسا
 گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دول ہوا تو کیا ہوا
 گر اک مصیبت میں رہا اور دوسرا دل شاد ہے
 داں عیش و عشرت کے فرے یاں نالہ و فریاد ہے
 یا لذتیں یا راحتیں یا غلیم یا بیسباد ہے
 کچھ وہ نہیں جاتا میاں آخر کو سب پر باد ہے
 گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دول ہوا تو کیا ہوا
 جو عشرتیں آکر ملیں تو تو وہ گر جانا میاں

جو درد دکھ آکر پڑ پڑے تو وہ بھر جانا میاں
 یا سٹکھ میں یا دکھ میں غرض یاں سے گزر جانا میاں
 یاں چار دن کی زندگی آخسر کو مہر جانا میاں
 گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دل ہوا تو کیا ہوا
 اب دیکھ کس کو شاد ہوا اور کس پہ آنکھیں نم کرے
 یہ دل بچارا ایک ہے کس کس کا اب ماتم کرے
 یاروں کو روئے بیٹھ کر یا درد دکھ کو کم کرے
 یاں کا یہی طوفان ہے اب کس کی جوتی لٹم کرے
 گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دل ہوا تو کیا ہوا
 گر تو نظیر اب مرد ہے تو جمال میں بھی شاد ہو
 دستار میں بھی ہو خوشی رومال میں بھی شاد ہو
 آزاد گی بھی دیکھ لے جنجال میں بھی شاد ہو
 اس حال میں بھی شاد ہو اس حال میں بھی شاد ہو
 گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دل ہوا تو کیا ہوا



پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا خیال ہے
 پیسا ہی فوج پیسا ہی جاہ و جلال ہے پیسے ہی کا تمام یہ دنک و دوال ہے
 پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے

پسیا نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

پسیا نہ ہو تو باغ کنوے پھر کہاں سے ہوں
کھانے کو پوری اور پوسے پھر کہاں سے ہوں
عیش و طرب کے نکی دوسے پھر کہاں سے ہوں
علو اکچوری مال پوسے پھر کہاں سے ہوں

پسیا ہی رنگ روپ پسیا ہی مال ہے

پسیا نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

جوڑے چین بہار میں پیسے کے واسطے
گنے مرصع کار ہیں پیسے کے واسطے
خوشبو کے پھول بار ہیں پیسے کے واسطے
سب نقش اور نگار ہیں پیسے کے واسطے

پسیا ہی رنگ روپ پسیا ہی مال ہے

پسیا نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

رواق بہار ہوتی ہے پیسے سے سب جھول
اور جو نہ ہوئے چہرہ پاڑتی ہے خاک جھول

پسیا ہی ساری چیز ہے پسیا ہی مرد و سول
بن پیسے آدمی ہے جہاں بیچ ناقبول

پسیہ ہی رنگ روپ پسیا ہی مال ہے

پسیہ نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

پسیا ہی بس بناتا ہے انساں کی بات کو
پسیا ہی فریب دیتا ہے بیاہ اور برات کو

بھائی سگابھی آن کے پوچھے نہ بات کو
بن پیسے پار دو طہا بنے آدمی رات کو

پسیہ ہی رنگ روپ پسیا ہی مال ہے

پسیہ نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

پیسے نے جس مکان میں بچھا یا ہے اپنا جال
کھنتے ہیں اس مکان میں فرشتوں کے پربال

پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوب خوش جمال
پسیا پری کو لائے پرستان سے نکال

پسیا ہی رنگ روپ ہے پسیا ہی مال ہے

پسیا نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

تین و سپر اٹھاتے ہیں پیسے کے واسطے تیر و سنان لگاتے ہیں پیسے کے واسطے
میدان میں زخم کھاتے ہیں پیسے کو واسطے یاں تک کہ سر کٹاتے ہیں پیسے کے واسطے

پسیا ہی رنگ روپ ہے پسیا ہی مال ہے

پسیا نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

عالم میں خیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے بنیاد دیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
دو زنج میں خیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے جنت کی سیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

پسیا ہی رنگ روپ ہے پسیا ہی مال ہے

پسیا نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

دنیا میں آدمی ہی کمانا بھی نام ہے پسیا جہاں کے بیچ وہ قائم مقام ہے
پسیا ہی جسم جان سے پسیا ہی کام ہے پیسے ہی کا نظیر یہ آدم غلام ہے

پسیا ہی رنگ روپ ہے پسیا ہی مال ہے

پسیا نہ ہو تو آدمی چرنے کی مال ہے

نہ

دنیا میں کون ہے جو نہیں ہے فداے زر جتنے ہیں سب کے دلیں بھری ہوئے زر
آکھو نہیں دل میں جان میں سینے میں جانے زر ہم کو بھی کچھ تلاش نہیں اب سوائے زر
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا ابتلاے زر

ہر اک ہی پکارے ہے دن رات ہائے زر
 کتنے تو زر کو نقش طلسمات کہتے ہیں اور کتنے زر کو کشف و کرامات کہتے ہیں
 کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں کتنے اسی کو قاصی حاجات کہتے ہیں
 جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے زر

ہر اک ہی پکارے ہے دن رات ہائے زر
 یہ پانی اب جو رست کی سبکی نشانی ہے زر کی جھک کو دیکھ کے اب یہ بھی پانی ہے
 یار و ہماری جس کے سبب زندگانی ہے یہ پانی یہ نہیں ہے وہ سونے کا پانی ہے
 جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے زر

ہر اک ہی پکارے ہے دن رات ہائے زر
 آپ طلا کی بوند بھی اب جس کے ہات ہے وہ بوند کیا ہے چشمہ آب حیات ہے
 دنیا میں عیش وین بھی عشرت کے سات ہے زر وہ ہے جس سے دونوں جہانیں نجات ہے
 جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے زر

ہر اک ہی پکارے ہے دن رات ہائے زر
 سُرمے کی جس کے پاس طلا کی سلائی ہے آنکھوں میں سسکی آب بڑی روشنائی ہے
 لے عرش فرشت سب اُسے دیتا دکھائی ہے خالق نے دیکھ تو زر کی پتلی بنائی ہے
 جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے زر

ہر اک ہی پکارے ہے دن رات ہائے زر
 سر پانوں سے جو سونے کے گنے کی ذیل ہے جو دیکھتا ہے اُس کے وہی دل کو میل ہے
 یہ چاہ یہ ملاپ تو زر کے طفیل ہے نہ پوچھتے ہیں بھوت ہے وہ یا پڑیل ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے زر

ہراک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

ہوتی ہیں زر کی واسطے ہر جا چڑھائیاں کٹتے ہیں ہاتھ پانوں گلے اور کلائیوں
بند و قفس ہیں کہیں کہیں تو ہیں لگائیاں کل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے زر

ہراک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

لو کا سلام کرتا ہے جھک جھک کے خشک ما بوڑھے بڑے سب اسکی طرف پیار کر کے واہ
دیتے ہیں یہ دعا اُسی تب دل سے خواجوا اے میرے محل ہو تیرا سونیکے سہرے بیاہ

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے زر

ہراک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

جتنی جہاں میں خلق ہے کیا شہادہ کیا و میر پیر و مرید مفلس و محتاج اور فقیر
سب پہنکے زر کے جال میں جی جان سیسیر کیا کیا کہوں میں خوبیاں زر کی میاں نظر

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے زر

ہراک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

سونے کی جدولیں جو کتابوں پر عام ہیں وہ جدولیں وہ رنگ وہ سونے کے کام ہیں
جن کے ورق ورق بھی سنہرے تمام ہیں سب سے زیادہ اُن کے ہی قیمت میں نام ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے زر

ہراک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

اب جن کے گھر میں ڈھیر ہیں سونیکے دام کے ہراک اسید وار ہیں اُن کے سلام کے

سب مل کے پانوں چوے ہیں انکے غلام کے کیا رتبے ہیں طلائے علیہ السلام کے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

کتنوں کے دل میں دھن ہے کہ زر ہی کھائیے کچھ کھائیے کھائیے اور کچھ پکائیے

کتنے کوئی ہائے کہاں زر کو پائیے کیا کیجے زہر کھائیے اور صر ہی جائیے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

سونا اگرچہ زرد ہے یا سرخ تمام ہے لیکن تمام خلق کو اُس سے ہی کام ہے

سب میں زیادہ حسن کی الفت کا دام ہے زرد وہ ہے جس کا حسن بھی ادنی غلام ہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

xxxx جو xxx پہنے سوئے کی بالیاں کیا اُس کے منہ چُسن کی چمکے بے لالیاں

یار اُس کے سب سمجھتے ہیں کھو نوکی ڈالیاں سب اُس کو چھوڑ چھوڑ کے کھاتے ہیں گالیاں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

زر کھان میں گرا ہے تو واں بھی بہا رہے شمشیر پر چڑھا ہے تو واں بھی بہا رہے

دیوار میں لگا ہے تو واں بھی بہا رہے گر خاک میں گرا ہے تو واں بھی بہا رہے

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہلے زر

ذر کے دئے سے پیر اور استاد نرم ہو ذر کے سبب سے دشمن بیدار نرم ہو
جو شونخ شنگے لے لے پر نیرا نرم ہو ذر وہ ہے جس کو دیکھ کے فولاد نرم ہو
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے ذر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہاے ذر
کپڑے پہ گرنے کا ہے طمانی کلاتوں میں اس کے تار تار کی تعریف کیا کروں
ہو دست رس تو چور اچکے کو کیا کہوں میرے ہی دلیں ہے کہ میں ہی اسکو تھپوں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے ذر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہاے ذر
عالموں کو روہ و شام میں زر کو کھاتے ہیں ماچھین چس سے زر کے جہاز آتے جاتے ہیں
دکھن سے زر کے واسطے سب بیاں آتے ہیں اوریاں تھے زر کے واسطے دکھن کو جاتے ہیں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ہے ذر

ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہاے ذر

فقیر کی صدا

ذر کی جو محبت تجھے پڑ جائے گی بابا دکھ آئیں تری روح بہت پائیگی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترسائیگی بابا دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آئیگی بابا
پھر کیا تجھے اللہ سے ملوے گی بابا

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو رہا کھا تو بھی اور اللہ کی گراہ میں خیرات
دینے سے اسی کے ترا او پچار ہے پھر بات اوریاں بھی تری گزریں سو عیش سدا تات

اور وال بھی تجھے سیر یہ دکھلائیگی بابا
 داتا کی تو مشکل کبھی اُٹکی نہیں رہتی چڑھتی ہے پہاڑوں کے اوپر ناؤ سخی کی
 اور تو نے بخیلی سے اگر جمع بھی کر لی تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
 خشکی میں تری تا وہ ڈوبائے گی بابا
 دولت جو ترے گھر میں ایسے چولی چول مرد و بھی کرتی ہے یہ اور کرتی ہے مقبول
 جو چلے ترے ساتھ چلے یاں سی پھول نہ ہمارا خبردار ہو اس بات پرست پھول
 یہ خندی ترے ساتھ نہیں جائیگی بابا
 اس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ اسے کھا بیٹوں کو رفیقوں کو غریبوں کو کھلا جا
 سب رو برو اپنے سے عشرت میں اڑا جا پھر شوق سے ہنستا ہوا جنت کو چلا جا
 ورنہ تجھے ہر دکھ میں یہ پھنسا لئیگی بابا
 یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے نہ رہے گی جو اور سے کرتی رہی وہ تجھ سے کر لی
 کچھ شک نہیں اس میں جو بھی ہے سو گھٹائیگی جب تک تو جئے گا تجھے یہ چین نہ دیگی
 اور مرتے ہوئے پر یہ غضب لائیگی بابا
 جب موت کا ہو ویکا تجھے آن کے دھڑکا اور نزع تری آن کے دم لیو گی بھڑکا
 اٹکیگا اگر اس میں نہ دم نکالے گا بھڑکا کوئیں میں روپے ڈالے جیے یو گیا گھڑکا
 تب تن سے ترے جان نکلائیگی بابا
 تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا ہے یہ تو یقیں آخر میں اک دن تو مر گا
 پھر بعد ترے اسپہ جو کوئی ہاتھ دھڑکا وہ ناج فرا دیکھے گا اور عیش کرے گا
 اور روح تری قبر میں چلائے گی بابا

اسکے تو وہاں ڈھونڈ کر دنگ بجلی اور روح تری قبر میں حسرت سے جلیگی
وہ کھاویگا اور تیرے نہیں آگ لگے گی تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا یہ تجھے گور میں تڑپائیگی بابا

جاویگا تری گور کی جانب جو وہ ناگاہ ساقی و صراحی و پر نیا دے کے ہمراہ
رونا تجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ جب دیکھے گا سو عیش میں تو اسکے تنہا
کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہرائیگی بابا

گر ہوش ہے تجھ میں تو بنی کی کا نہ کر کام اس کام کا آخر کو بدی ہوتا ہے انجام
تھو کیگا کوئی کہہ کے کوئی دیو گادشنام زہار نہ لے گا کوئی ہر صبح ترا نام
پیرا میں ترے نام پہ لگوائے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹاک غور سے کر گنج پہ قاروں کے فرا دھینا جیسا ہے اسے خوب کیا اس نے پریشان
ویسا ہی مرا تجھ کو بھی دکھلائیگی بابا

افلاس

رکھ بوجھ سر پہ نکالا اُسٹر ملا تو ایسا گھیرا خرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا مفلس کا زرد چہرہ جو زر ملا تو ایسا
آکسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

جب مفلسی کا اگر سر پر پڑے ہے سایہ پھرتا ہے مرد کیا کیا در در خراب و رسوا
بنتا ہے مفلسی میں مفلس کا آہ نقشا پورا ہنر جو سیکھا تو بھی یک ماٹنگنے کا

یہ بد نصیبی دیکھو جو ہر ملا تو ایسا

آخر کو تنگ ہو کر جب مفلسی کے مارے چیللا ہوا کسی کا اور پہنے سیلی تلگے
واں سے سوا سنگوٹی ہرگز نہ پائی اسنے دن کو دلائی جھاڑ و شب کو منگائے مگر
مفلس کا پیر و ہر شہر رہا ملا تو ایسا

قلعے، پلاؤ، زردے و ودھ اور ملائی کھوئے پوری کچوری لٹو سب مفلسی سے کھوئے
جب کچھ ہوا میر دن رات روئے دھوئے یا خشاک مگرے چاہے پانی سے یا بھگوئے

سو کھا ملا تو ایسا اور تر ملا تو ایسا

کجواب تاشن، مشرغ، تشریف عامہ ملل سب مفلسی کے ہاتھوں گئے اپنے ہاتھ ملل
گیٹری رہی نہ جامہ چکار ہانہ آچیل لے ٹاٹ کی قہار پر جوڑا پیرانا کسل

ابرہ ملا تو ایسا استر ملا تو ایسا

جس دل جلے کے اوپر دن مفلسی کے آئے پھر دور بھاگے اس سے سب اپنے اور پر
آخر کو مفلسی نے یہ دکھا سے دکھائے کھانا جہاں تھا بٹھاواں ہلکے دھکے کھائے

کم بخت کو جو کھانا اکثر ملا تو ایسا

تنظیم تھی ہر اک جاتھا پاس جب تلک مفلس ہوا تو کوئی دیکھے نہ پھر نظر بھر
کپڑے کپٹوں سے بیٹھا جس نرم میں وہ بنا سب فرش سے اٹھا کر بھلا میں جو بول پر

مفلس کو ہر مکان میں آدر ملا تو ایسا

گر مفلسی میں اس نے دو تین لڑکے پائے اور کتنے واسے لڑکے داں کھیلنے کو آئے
دیکھ ان کے کتنے پاتے آنکھوں میں آنسو لائے مگر کو چیل سچے نتھ اور کڑے بنائے

بد بخت کے بچوں کو غرور ملا تو ایسا

اسباب تھا تو کیا کیا رکھتے تھے لوگ رشتہ مفلس ہوئے تو ہرگز رشتہ رہا نہ نانا
نے بھائی بھائی کہتا ہے بیٹا کہتا بابا اس پر نظیر مجھ کو رونا بہت ہے آتا
اس مفلسی زدے کو ٹیڑ ملا تو ایسا

خوشامد

دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے
بھائی فرزند بھی خوش باب چچا راضی ہے شاہ مسرور غنی شاد گدار راضی ہے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجئے اور نہ ہو کام تو اس حسب کی خوشامد کیجئے
انبیا اولیا اور رب کی خوشامد کیجئے اپنے مقدر و رخص سب کی خوشامد کیجئے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
چاروں حسی کو خوشامد سے کیا جھکے سلام وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہو کام میں کام
بڑے عاقل بڑے دانائے نکالا ہے یہ دام خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
مفلس ادنی و غنی کی بھی خوشامد کیجئے بد بخیل اور سخی کی بھی خوشامد کیجئے
اور جو شیطان ہو تو اس کی بھی خوشامد کیجئے گردنی ہو تو ولی کی بھی خوشامد کیجئے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پیارے جوڑ دئے ہاتھ طرف جس کے آہ وہیں خوش ہو گیا کرتے ہی وہ ہاتھوں پہ لگا
غور سے ہم نے جو اس بات کو دیکھا واللہ کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے اللہ اللہ

جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پینے اور پینے کھانے کی خوشامد کیجے بھٹکے بھانڈے زنا سے کی خوشامد کیجے
مست و ہشیار دوانے کی خوشامد کیجے بھوکے نادان سیانے کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جن کا خوشامد فرج جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں عیش محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکان ناک اور راج کیا ہی تاثیر کی اس نسخے نے پائی ہے راج

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر کھلا ہو تو کھلے کی بھی خوشامد کیجے اور برا ہو تو برے کی بھی خوشامد کیجے
پاک ناپاک سڑے کی بھی خوشامد کیجے گتے بلی و گدھے کی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے غیر کیا اپنے ہی گھرنچ یہ سکھ دیتی ہے

ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا لیتی ہے نانی دادی بھی خوشامد سے بلا لیتی ہے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

بی بی کہتی ہے میاں آترے صدقے جاؤں ساس بولی کہیں مت جاترے صدقے جاؤں
خالہ کہتی ہے کہ کچھ کھاترے صدقے جاؤں سالی کہتی ہے کہ بھیا ترے صدقے جاؤں
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

آپڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اُسے ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُلفت کی خریدار اُسے
آشنا ملتے ہیں اور چاہے ہیں سب یار اُسے اپنے برگیلنے غصن کرتے ہیں سب پیار اُسے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

روکھی اور روغنی آبی کی خوشامد کیجے نان بائی و کبابی کی خوشامد کیجے
ساتی و جام و شرابی کی خوشامد کیجے پار سارند حسرابی کی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

جو کہ کرتے ہیں خوشامد وہ بُرے ہیں انساں جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ حیراں
ہاتھ آتے ہیں خوشامد سے ہزاروں سماں جسے یہ بات نکالی ہے میں اس کے قریاں
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

کوڑی پیسے دیکے زہ کی خوشامد کیجے لعل و نیلم در و گوہر کی خوشامد کیجے
اور جو پتھر ہو تو پتھر کی خوشامد کیجے نیاک و بدعتیہ ہیں کیسری کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

ہم نے ہر دل میں خوشامد کی محبت دیکھی پیارا خلاص و کرم مہر و محبت دیکھی
دلبروں میں بھی خوشامد ہی کی الفت دیکھی عاشقوں میں بھی خوشامد ہی کی چاہت دیکھی

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پارسا پیر ہے زاہد ہے مُنا جاتی ہے جوار یا چور دعا باز حسرا جاتی ہے
ماہ سے ماہی تلک چوٹی ہے یا ہاتھی ہے یہ خوشامد تو میاں سب کے تئیں بھاتی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گرنہ بیٹھی ہو تو کڑوی ہی خوشامد کیجے کچھ نہ ہو پاس تو خالی ہی خوشامد کیجے
جانی دشمن ہو تو اسکی ہی خوشامد کیجے سچ اگر لوچھو تو جھوٹی ہی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مرد و زن طفل جواں خرد کلاں پر و فقیر جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا شاہ و وزیر
سب کے دل ہوتے ہیں بھندے میں خوشامد کے کیر تو بھی والہ بُری بات یہ کہتا ہے ظہیر

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے

سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

جھونپڑا

یہ تن جو ہے ہر اک کے اُتارے کا جھونپڑا
اس سے ہے بادشاہ کے تظاہرے کا جھونپڑا
اس سے ہے اب بھی سب کے سہارے کا جھونپڑا
اس میں ہی ہے فقیر بچارے کا جھونپڑا

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا
پا یا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی بھولے بھالے ہی ہیں سیالے ہیں
اس میں ہی دشمن آہیں ہی اپنے یگانے ہیں
اس میں ہی ہوشیار اسی میں دوائے ہیں
شا جھونپڑا بھی اپنے اسی میں ٹالے ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا

پا یا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی لوگ عشق و محبت کے مارے ہیں
اس میں ہی یار دوست اسی میں پیارے ہیں
اس میں ہی شوخ حسن کے چاند اور ستارے ہیں
شا جھونپڑا بھی اپنے اسی میں بچارے ہیں

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا

پا یا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

اس میں ہی اہل دولت و محرم امیر ہیں
اس میں ہی شاہ اور اسی میں ذریعہ ہیں
اس میں ہی رستے سارے جہاں کے فقیر ہیں
اس میں ہی ہیں صغیر اسی میں کبیر ہیں

اب جھونپڑا۔ اب جھونپڑا بلند جاتا ہے۔ داد کے بعد وزن نہیں رہا ہے۔
اس میں ہی ہے کی جگہ اب اسی میں رہے بیٹے ہیں۔

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھوٹرا
 پایا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھوٹرا
 اسمیں ہی چور ٹھگ ہیں اسی میں مول ہیں
 اسمیں ہی باجے اور لغارے وڈھول ہیں
 اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھوٹرا
 پایا یہ تن ہے دم کے سہارے کا جھوٹرا
 اسمیں ہی پارسا ہیں اسی میں لوند ہیں
 اسمیں ہی سب پرند اسی میں چرند ہیں
 اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھوٹرا
 پایا یہ تن ہے دم کے سہارے کا جھوٹرا
 اس جھوٹے میں رہتے ہیں شاہ اور وزیر
 اسمیں کسب و کسب غشی و مقصدی اور امیر
 اسمیں ہی سب غریب ہیں اسمیں ہی سب فقیر
 اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھوٹرا
 پایا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھوٹرا

چپاتی

وہ جواب کھاتے ہیں باقر خوانی کا شیر مال
 ہر وہ خاص الخاص درگاہ کرم خدائے خال
 یہ جو رونی وال کار کھتے ہیں ہم گردن میں چال
 جب ملی روٹی وہیں ہم پوتے صلابت مال
 دو چپاتی کے درقی میں سب تن روشن ہوئے

اک رکابی میں ہیں چودہ طبق روشن ہوئے

وہ تو اب مرد خدا ہیں قوت جہ کا نور ہے وہ ملائکہ میں وہاں روٹی کا کیا مذکور ہے
دل ہمارا تو فقط روٹی کا اب رنجور ہے ہم شکم بندوں کا تو یار وہی دستور ہے
دو چپاتی کے ورق میں سب رقی روشن ہوئے

اک رکابی میں ہیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی پڑی جب تک تو یار دیر ہے گرنہ ہو پھر غیر کیا اپنی ہی جی سے بیر ہے
کھاتے ہیں وہ ترنوازے آسمان پر ہے آسمان کیا پھر تو خاصے لامکاں کی سیر ہے
دو چپاتی کے ورق میں سب رقی روشن ہوئے

اک رکابی میں ہیں چودہ طبق روشن ہوئے

جب تلک روٹی کا ٹکڑا ہونہ دسترخوان پر لئے نمازوں میں لگے دل اور نہ کچھ قرآن پر
رات دن روٹی چڑھی رہتی ہے سیکے ڈھیاں پر کیا خدا کا نور برسے ہے پڑا ہرنان پر
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے

اک رکابی میں ہیں چودہ طبق روشن ہوئے

جب نہوں دور وٹیاں اور اک پیالہ ال کا کھیل پھر گڑا پڑے یاں حال کا اور قال کا
گرنہ ہو روٹی تو کس کا پیر کس کا بار کا وصف کس سے کس کے حوال کا
دو چپاتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے

اک رکابی میں ہیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیشہ میں روٹی نہ تھی جو بکے وہ عالم تھا سیا جب پڑی روٹی تو پہنچی عرش کے اوپر نگا
کھل گئے پردے تھے جتنے عاوی سونے تاباں کیا کرامت ہے فقط روٹی میں یار وادادہ

دو چپاقتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

یوں حکمتا ہے پڑا ہر آن گردہ نان کا جان اتنی ہے لئے سے نام دسترخوان کا
چاند کا ٹکڑا کہو نہیں یا کہ ٹکڑا جان کا روح ناپے سب بدن میں نام سنگرخوان کا

دو چپاقتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

حسن جتنے ہیں جہا نہیں سب بھریم میں نا نہیں خوبیاں جتنی ہیں اگر سب بھری ہیں خوان میں
عاشق و معشوق بھی ٹکبہ کے ہیں درمیان میں پھنس رہے ہیں سب سے دل دہی سے دسترخوان میں

دو چپاقتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جو مرید اپنا کسی درویش کو کرتا ہے پیر یعنی کچھ دیکھے تجلی کی کراست دل پذیر
کھاتے ہی دور وٹیاں دل ہو گیا بد رنیر کوئی روٹی سا نہیں اب پیر مرشد نے نظیر

دو چپاقتی کے ورق میں سب ورق روشن ہوئے

اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جاڑا

جب ماہ اگسن کا ڈھلتا ہوتا ہے دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور سنسن سنسن پوس سن بھلتا ہوتا ہے دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہوتا ہے دیکھ بہاریں جاڑے کی

پالا بھی برف بھی گھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
 چلا خم کھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
 دل ٹھوکر مار چھاڑا ہوا اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
 تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو جیتی ہو سب کی بتیسی
 ہو شور پھو ہو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
 گلے سے گلے لگ لگ کر چلتی ہو منہ میں چسکی سی
 ہر دانت چنے سا دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
 ہر ایک مکان میں سردی نے آباد دیا ہو یہ چکر
 جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑا کر اور تھر تھر
 پیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
 جھڑ باندھ مھاوٹ پڑتی ہو اور تپیر لہریں سے لے کر
 سناٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
 ہر تیار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو گونٹے کا
 اور تن میں نیمہ شب بنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
 چھڑ کاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیکا
 ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
 فراش بھی پٹکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
 جب ایسی سردی ہو اے دل تب زور غم کی گھاتیں ہوں
 کچھ نرم کچھو نے کھل کے کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں

محبوب گلے سے لپٹا ہوا اور کہنی چسٹ کی لائیں ہوں
 کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں
 دل عیش و طرب میں پلتا ہوتا دیکھ بہاریں جاڑگی
 ہونہر شہچھا غالیچوں کا اور پردے چھوٹے ہوں اگر
 اک گرم انگلیٹھی جلتی ہو اور شمع ہو روشن اور تیر
 وہ دلیر شوخ پر سی پھل ہو دھوم مچی جس کی گھر گھر
 ریشم کی نرم نہالی پر سوناز و اداسے ہنس ہنس کر
 پہلو کے بیچ چلتا ہوتا دیکھ بہاریں جاڑگی
 ترکیب بنی ہو مجلس کی اور کافر ناپنے والے ہوں
 سمجھ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں تن انکے روئی کے گالے ہوں
 پوشاکیں نازک رنگوں کی اور اوڑھے شال دوشاے ہوں
 کچھ نایاب اور رنگ کی دھومیں ہوں کچھ عیش میں ہم توانے ہوں
 پیالے پر پیالہ چلتا ہوتا دیکھ بہاریں جاڑگی
 ہر ایک مکان ہو خلوت کا اور عیش کی سب طیار ہی ہو
 وہ جان کہ جس سے جی غش ہو جو جان سے آجھنکاری ہو
 دل دیکھ نظیر اسکی چھب کو ہر آن ادا پر واری ہو
 سب عیش مہیا ہو آکر جس جس ارمان کی بادی ہو
 جب سب ارمان نکلتا ہوتا دیکھ بہاریں جاڑگی

برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
بوندونگی رچھماوٹ قطرات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاوٹ باغات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہڑست چھا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل کھل رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں کو دھو میں بچا رہی ہیں
گلزار گھٹکتے ہیں سبزے نما رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈا بر دریا ڈونڈ رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے مند رہے ہیں
مور و پیسے کوئل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں
برسے بے منتہ جھڑا جھڑا دل مند رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے سر پر سریالی سج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں
گل بھول جھاڑ بوٹے کرا پی دیج رہے ہیں
اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزے ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پید مرے بچھونے
قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
بچھوادے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہا ہٹ کچھ ابر کی سیاہی
سب بھٹکتے ہیں گھر گھر لے ماہ تابا ہی
اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الہی

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہیں یار ب سامان تیری قدرت
بدے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہوئے ہیں سچان تیری قدرت
تیتھر پکارتے ہیں سچان تیری قدرت
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

بولیں بے بیس قمری پکارے کو کو
پی پی کرے پیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا بد روگی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو
سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پھیر
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

ہے جن کی سچ سوئی اور خالی چار پائی
رور و انھوں نے ہر دم یہ بات ہے سنائی
پر دیسی نے ہمارے اب کی بھی ہر جھلائی
اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس میں چھائی
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے اب ہی گت بنائی
میلے کھیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڈبائی
لے گھر میں جھولا ڈالنے اور ہنسی رنگائی
پھوٹا پڑا ہے چو لھا ٹوٹی پری کڑھائی
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

کتنے تو بھنگ پی پی کپڑے بھگورے ہیں
باہیں گلوں میں ڈالے جھول نہیں سو رہے ہیں
کتنے برہ کے مارے سدھ اپنی کھوپے ہیں
جھوٹے کی دیکھ صورت ہر آن ڈبے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہواو پئے چھو کے بگلے
پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
کتنے پھرے ہیں باہر خواباں کو اپنے سنگلے
سب شاد ہو رہے ہیں شمدہ غریب کنگلے
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

کستوں کو محلوں اندر بے عیش کا نظارہ
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا
یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
مفلس بھی گر رہا ہے پوئے تلے گزارا

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں
چھت کرنے کا کسی جاغل شور مہور ہے
دیوار کا بھی دھڑکا کچھ موش کھور ہے
مفلس سو جھوٹے میں دل خاد سور ہے
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

♦ مدت سے ہو رہا ہے جنگا مکان پرانا
کوئی پکارتا ہے نک مور می کھول آنا
اٹھ کے انھیں ہمینہ میں بہان چھت پرچا
کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دوانا

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں
کوئی تو جھولتی ہے جھولے کی ڈور چھوڑے
یا سا تھیوں میں اپنے پانوں میں پاؤں جوڑے
بوندوں سے بھیکتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں
کتے شراب پی کر پوست چھکے ہیں
مے کے گلابی آگے پیالے چھلک رہے ہیں
پڑتا ہے مینہ برابر طیلے کھڑک رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

ہیں جنکے تن ملائم سیرے کی جیسے لونی
اور جن کی مفلسی نے شرم و حیا بے کھوئی
وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھر رہی لونی
ہے ان کے سر پہ سر کی یا بورے کی ٹھوئی
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

کتے پھرے ہیں اوڑھے پانی میں سرخ پٹو
جو دیکھ سرخ بدلی ہوتی ہے ان پہ لٹو

پہاں رہند چھوٹ کے ہیں انکو جھیمس دل دکھ

کتنوں کے گاڑی رتھ ہیں کتنوں کی گھوڑی ٹوٹ
جس پاس کچھ نہیں ہے وہ ہمسایہ نکھوٹ
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یار و دولت میں کچھ نہیں
ہے اُن کے سر پہ چھتری ہاتھی اور چڑھیں
ہم سے غریب غریب کچھ میں گر پڑے ہیں
ہاتھ نہیں جوتیاں ہیں اور پانچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

بے جن گنے مہیا پکا پکا یا کھانا
ان کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا خطا رٹا
یا جن کو اپنے گھر کا ہے نون تیل لانا
سر پر ہے ان کے پنکھا یا چھاج ہیڑا
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

کچھ سے ہو رہی ہے جس جا میں پھسلنی
مشکل ہوئی ہے واسے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی شکل ہے اب سنبھلنی
جوتی گرمی تو واں سے کیا تاب پھر نکھلنی
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

کتنے تو کچھروں کے دلدل میں پھنس رہے ہیں
کپڑے تمام گندی دلدل میں پس رہے ہیں
کتنے اکٹھے ہیں مرم کتنے اگس رہے ہیں
وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ نہیں رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

کتنا ہے کوئی گر کر یہ لے خدا لے لیجو
کوئی ڈنگا کے ہر دم اکتا ہوا لے لیجو
کوئی ہاتھ اٹھا پکارے مجھ کو بھی ہائے لیجو
کوئی شور کر پکارے گرنے نہ پائے لیجو
کیا کیا مچی ہیں یار و برسات کی بہاریں

گر کر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطر
اک دو نہیں پھسلنے کچھ ان میں آتے اکثر
پھسلا کوئی کسی کا کچھ میں بندہ گیا بھر
ہوتے ہیں سیکڑوں کے سر پہ پانوں اور

کیا کیا مچی ہیں یاد و برسات کی بہاریں
 یہ رُت وہ ہے کہ جسمیں خرد و کبیر خوش ہیں
 ادنیٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
 معشوق شاد و خرم عاشق اسیر خوش ہیں
 جتنے ہیں اب جہان میں سب نے نظیر خوش ہیں
 کیا کیا مچی ہیں یاد و برسات کی بہاریں

کبوتر بازی

ہیں عالم بازی میں جو ممتاز کبوتر
 اور شوق کے طائر سے ہیں نیاز کبوتر
 بھاتے ہیں بہت ہلکویہ طائر کبوتر
 مدت سے جو سمجھیں ہیں ہم راز کبوتر
 پھر ہم سے بھلا کیونکہ رہیں باز کبوتر
 حیوان ہیں گرچہ عجب انداز کے پر ہیں
 صورت میں پری رو ہیں تو شیریں بشر ہیں
 آواز سے واقف ہیں اشاروں سے خبر ہیں
 پرواز میں ہم شہ پر عنقاے نظر ہیں
 کیا گولے ہوں اور کیا ہوں گرہ باز کبوتر
 کیا بلسل و قمری دچھے پڑمی و پدے
 چند ول اکن لال بے ابلقے طوطے
 کیا طوطی دینا و بے تیر و شرے
 طائر میں غرض بازی اطفال کے جتنے
 کر غور تو سب میں ہیں سر افراد کبوتر
 لہتے ہیں ادھر اپنی کساوٹ کو دکھاتے
 چہینے ہیں ادھر سیر می اپنی جباتے
 ہیں جو گئے بھی رنٹ گئی جو گئے لاتے
 پر یوں کے پرے دیکھ کے مین جرخ پلے
 جب حلقہ زناں کرتے ہیں پرواز کبوتر
 کھیرے و پیت و چپ و نکتے و مکرے
 زچے و نکل آنکھ اور لال آنکھ ادوے و زریے

کچھ کا برے تیرے مٹی و طوسی دوپلے پھرتے ہیں ٹھمک چال سناتے ہیں خوشی سے
 کیا کیا وہ غم غموں کی خوش آواز کبوتر
 سیلابے اور گھاگھرنے تنبوئے پاں لال کچھ اگر بیئے اور سر مٹی اور عنبری اور خال
 بھورے نگہ تانیڑے برے بھی خوش احوال پھر پسترے اور کاسنی لوٹن بھی سیک بال
 کھوے ہیں گرہ دل کی گرہ باز کبوتر
 گو کر کے جدھر کے تئیں چھپی کو ہلا دیں کچھ ہووے غم غم پھر وہ اسی سمت کو جاوے
 کٹی کو نہ پھر کاویں تو پھر نہ گونہ آویں چھوڑاں کو نظیر اپنا دل بکس سونگاویں
 اپنے تو لڑکپن سے ہیں دمساز کبوتر

گوا اور ہرن

اک دشت میں سناپے گا کہ خوب تھا ہرن بچہ ہی تھا ابھی نہ ہوا تھا بڑا ہرن
 پھرتا تھا چھ کڑی کا دکھاتا فراہرن دیکھا جو ایک کوئے نے وہ خوشنما ہرن
 دلو نہایت اسکے وہ اچھا لگا ہرن
 اور باتیں کر کے کوئے نے اسکو لگالیا دم میں ہرن بھی کوئے کی الفت میں آ گیا
 کوئے ہرن میں ٹھہری جو گہری محبت آ کوئے جدھر جدھر کو خوشی ہوئے جاتا تھا
 پھرتا تھا اس کے ساتھ لگا جا بجا ہرن
 اک گیارہاں ہرن کے گئے آ کے نابکا بولا ہزار جان سے میں تجھ میں ہوں نثار
 مجھ کو بھی اپنا جان غلام اور دوستدار اور دل میں یہ کہہ کیجے کسی طور سے شکار
 اُس کے دغا و مکر سے واقف نہ تھا ہرن

گیڈر یہ لکے مکر سے جس دم گیا ادھر کو اہرن سے کہنے لگا کر کے شور و شر
یہ سخت مکر باز ہے کراس سے تو خذر اکدن غنا سے تجھ کو یہ پکڑے گافتہ گر

سنکر یہ بات کوئے کی چپ ہو رہا ہرن
دن دوسرے ہرن نے گیدر پھر آگیا کوئے کو روتا دیکھ یہ بو لادہ پردنا
میں آج دیکھ آیا ہوں کیا تھیت اکسرا تم کھاؤ اس کو چل کے تو ہو شاد دل مرا
سننے ہی اس کے ساتھ اچھلتا چلا ہرن

جب کھیت پر یہ لے گیا اسکو برنگل واں پہلے دیکھ آیا تھا صیاد کا وہ جال
لے پہنچا جب ہرن کے تئیں کھیت پر خال جاتے ہی واں ہرن نے دیا منہ کو اپنے خال
منہ ڈالتے ہی جال میں ان بھنس گیا ہرن

واں پھڑ پھڑ کے کو ابھی بس آیا ناگہاں گیدر کو دیکھے گا کی ہرن سے کہا کہ ہاں
تڑپے مت اسمیں ورنہ تو ہو ونگانا تو واں کوئے کی بات سننے ہی بہت کو باندھ واپ
جیسے کہ گر پڑا تھا وہیں پھر اٹھا ہرن

گیدر لگا چپ آنے ہرن کی طرف جھپٹ کو اچکا مارا تو سینک اک جو جاوے بہت
یا اک کھری تو ایسی لگا پانوں کی جھپٹ جاوے جو اس کے لگتے ہی گیدر کا پیٹ پھٹ
سننے ہی پھر تو سینک ہلائے لگا ہرن

گیدر نے خوب کوئے کو دیں جلے گالیاں صیاد تو واں ہوا تھا کسی کام کو رواں
اس میں شکاری آکے ہوا دور سے عیاں کو اچکا را لپیٹ جاوے بند کر کے ہاں
دم بند کر کے اپنا ہیں گر پڑا ہرن
گیدر نے اس کو دیکھ کے لی اٹھ جاڑی کی صیاد اس بہرے کو بڑا دیکھ اس کھری

افسوس کر کے دام کی رسی وہ کھول دی کو ایسا راجھاگ اے وقت ہے یہی
 سنتے ہی واں سے چو کڑی بھر کر راجھاگ
 صیاوے جو دیکھا ہرن اٹھ چلا جھاگ جلدی سے دوڑ چھپے ہرن کے وہ سینچا
 سوئے کو پھینک مارا جو پھرتی سے ہرنے تک بھاگا ہرن وہیں لگا گیدر کے اکھٹاک
 سر اس کا پھوٹا اور وہ سلامت رہا ہرن
 گیدر نے اس ہرن کا جو عیتا تھا واں بُرا پائی اُسی نے اپنی بدی کی وہیں سنا
 تھا یہ تو شرم سے اسے نظم میں کیا پہنچا نظیر جب وہ خوشی ہو کے اپنی جا
 کوئے کے ساتھ پھر وہ بہت خوش ہوا ہرن

جوانی بڑھاپے کی لڑائی

جہاں میں یار و جوانی کی کیا خدائی ہے کہ ہر کسی کو تکسیر ہے خود نمائی ہے
 ادھر جوانی بڑھاپے پہ چڑھ کے آئی ہے ادھر بڑھاپے کی اسپر ہوئی چڑھائی ہے
 عجب جوانی بڑھاپے کی اب لڑائی ہے
 جوانی اپنی جوانی میں ہو رہی سرشار بڑھا پا اپنے بڑھاپے میں صم رہا ہے مار
 ہوئے ہیں دونوں جو لڑنے کی واسطے تیار ادھر جوانی نے گھینچنی ہے طیش سے تلوار
 بڑھاپے نے بھی ادھر لاٹھی اٹھائی ہے
 ادھر بہت تیر سا قامت ادھر وہ پیٹھ کیاں ادھر وہ ٹیڑھا بدن اور ادھر اکڑے نشان
 جوانی کہتی ہے بڑھکر کہ سن بڑھاپے میاں کہ تیری خیر اسی میں ہے چل سکر اس آن
 وگرنہ تیری چل میرے ہاتھ آئی ہے

میں آج وہ ہوں کہ دشمن کو کھڑکھڑاڈالوں
 پہاڑ ہوئے تو اک دم میں میں ہلاڈالوں
 درخت جڑ سے اکھاڑوں زمین ہلاڈالوں
 ابھی کہے تو تری دیہجیاں اڑاڈالوں
 کہ مجھ کو زور کی قوت کی پادشائی ہے
 کہا بڑھاپے نے گرز و رتھ میں ہے بچا
 تو ہاں جی دیکھیں ہمارے تو سامنے آجا
 اگرچہ زور ہمارے نہیں ہے تن میں رہا
 مسوروں سے ہی تری ہڈیوں کو ڈالیں جا
 نہ ہم سے لڑ کہ اسی میں تری بھلائی ہے

اگرچہ تو ہے نیا ہم پرانے میں لیکن
 نیا ہے نو دن آخر پرانا ہے سو دن
 ہزار گو کہ ترا زور پر چڑھا ہے سن
 یہ ہم نہ چھوڑیں ترے کان اب مڑ رہے بن
 کہ تو نے آکے بہت دھوم یاں مچائی ہے

کہا جوانی نے تیرا تو اب ہے کیا احوال
 تو میرے کان مڑ رہے کہاں یہ تیری حال
 نہ تیرے پاس غنچہ نہ تیر سیف نہ ڈھال
 ابھی گھڑی میں بکھرتا پھر گیا ایک کال
 یہ ڈار بھی تو نے جو مدت میں اب بڑھائی ہے

کہا بڑھاپے نے سن کر کہ تو اگر ہے پہاڑ
 تو ہم بھی سوکھ کے جھڑی کے ہو ہیں جھاڑ
 ابھی کہے تو تیرے کپڑے لٹے ڈالیں پھاڑ
 ذرا سی بات میں اک دم کے سچ لیوں اٹھاڑ
 ہر ایک موچھ یہ تیری جو تاؤ کھائی ہے

یہ سن کے بولی جوانی کہ چل نہ کہہ تو بات
 یہ سن کے بولی جوانی کہ چل نہ کہہ تو بات
 کہیں ہو پانوں کیسے سر کہیں پڑا ہو بات
 ابھی جو آن کے ماروں تری کمر لات
 جسے تو جھینا سمجھتا ہے اور خوشی کی بات
 وہ تیرا جینا نہیں ہے وہ بے سیانی ہے

یہ سن کے بولا بڑھاپا کہ تو نے جھوٹا
 جو پوچھے سچ تو ہمیں کو فرہ ہے جیسے کا

شراب ہو جو پُرانی تو اڑ چلے ہے نشا - پُرانے جب ہوے چاول تو ہے نہیں مٹا

قدیم ہے یہ مثل ہم نے کیا بنائی ہے

تری تو خلق میں ہے چار دن کی سب کو چاہ جہاں تو ہو چکی بس بھر میں ہے حال تباہ
ہمیں ہیں وہ کہ کریں ہیں تمام عمر تباہ تو اپنی دیکھ گریباں میں حال کر منہ آہ

کہ اسبابے کس میں وفا کس میں بیوفائی ہے

جوانی جب تو یہ بولی بڑھا ہے سن کر تری وفا سے مری بیوفائی ہے بہتر
میں جب تلک ہوں بہاؤں میں تیرے جو سلطنت ہو گھڑی بھر کی تو بھی ہر خوشتر
مرنے تو لوٹ لئے کہ کہ بھر گدائی ہے

بڑھا ہے سے کہا اُس دم جوانی سے پایا مرا تو وصف کتابوں میں ہے لکھا ہر جا
بزرگی اور شیخت بڑھا ہے میں سے سدا تری جو بات کا مذکور ہے کہیں آیا

تو ہر طریق میں خواری ہی تجھ پہ آئی ہے

جو نہیں جوانی نے خواری کا کچھ سے نام لیا بڑھا پا دوڑ جوانی سے دو میں آ لپٹا
مروڑ میں موچھیں ادھر اس ڈاڑھی کو گھینکا لڑے جو دونوں بڑا ہر طرف یہ شور مچا

کہ یار و دوڑ یو فریا دہے دہائی ہے

کھڑے تھے لوگ ہزاروں یہ دونوں لڑتے گھڑی بچھاڑتے تھے اور گھڑی کھڑتے تھے
جو بازو چھوڑتے تھے تو کمر کھڑتے تھے ہر اک طرف سے نئے کھڑے لات چلتے تھے

تو سب بیکت تھے کیا ان کے جی میں آئی ہے

یہ مار کوٹ کا آپس میں جیس ہوا چس جیا نظیر اس میں وہیں اکا ذہیر بھی آیا
کچھ اسکو روکا ادھر اور کچھ اس کو سمجھایا تو اپنے خوش رہ ہو یہ اپنے خوش رہیں ہر جا

علاپ خوب ہے لڑنے میں کیا بڑائی ہے

فتا

گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا تو پھر کیا
ماہی علم مرا ستب پُر ز رہا تو پھر کیا
اور بھر سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا
نوبت نشاں نقارہ در پر ہوا تو پھر کیا
سب ملک سب جہاں کا سرور ہوا تو پھر کیا
کیا رکھ کے فوج لشکر کی سلطنت پناہی
جب آن کر فنا کی سر پر پڑی تباہی
پھیری دہائی اپنی لے ماہ تباہی
پھر سر رہا نہ لشکر نے تاج بادشاہی
دارا جہم و سکندر اکبر ہوا تو پھر کیا
یا ذات میں کہاے نامی اسیل ذاتی
تھے آپ مثل دوطحا اور فوج تھی براتی
جہشید فر کے پوتے نوشیرواں کے ناتی
جب چل بسے تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتھی
ملک و دکان خزانہ لشکر ہوا تو پھر کیا
یاراج بنسی ہو کر دنیا میں راج پایا
جب توپ نے اجل کے امور چل گایا
چتور گڑھ ستارا کا لہجرا بنایا
سب اڑ گئے ہوا پر کوئی نہ کام آیا
گڑھ کوٹ توپ گولہ لشکر ہوا تو پھر کیا
کتنے دنوں یہ غل تھا نواب میں خیاں ہیں
جاگیر و مال و منصب جو آج انکے یاں ہیں
یہ ابن شہزادی یہ عالی خاندان ہیں
دیکھا تو ایک کھڑی میں بے نام بے نشان ہیں
دودن کا شور چرچا گھر گھر ہوا تو پھر کیا
گھوڑا اٹھا کے ڈوبافوجوں میں ہو دلاور
مارے پٹے بچا لے کھائی کٹار حمد ہر

مارا قھٹانے بھالا جسدِ فنا کا آکر پھر مردمی شجاعت سب ہو گئی برابر
خود و سلاح چلتے بکتر ہوا تو پھر گیا

یا خانہ جنگی لڑ کر کھایا بدن میں ڈانکا
جب گھور کر قھٹانے کے پائے نے آکے جھانکا
موج چھوٹ کو تاؤ دیکر سودوت دات ہانکا
ٹپڑ ہار ہانہ تر چھیا گت ڈار ہانہ بات کا
تیغاسیر قرا میں جبر ہوا تو پھر گیا

یا ہو حکیم حافظ کرنے لگے طبابت
گھوٹے مرض نہاروں دھوئی ہر ایک جمت
مردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کرکرامت
جب آئی مہر پر اپنے پھر گچھ چلی نہ حکمت
لقمان اور فلاطون آکر ہوا تو پھر گیا

یا ہو نجومی کامل تاروں کو چھان ڈالا
برج و ستارے باندھے احکام کو سنھالا
سورج گمن بچارے چندر گمن نکالا
جب وقت اپنا آیا اس وقت کو نہ ٹھالا
جوتش نجوم پنڈت پڑھ کر ہوا تو پھر گیا

یا پڑھ کے دو کتابیں اور کر کے علم حاصل
جب دیو کا ایل کے سایہ میں تھا بل
یا بھوت جن اتارے مشہور ہو کے عامل
ملا رہا نہ سیانا عالم رہا نہ فاصل
نقویہ فال جاو و منتر ہوا تو پھر گیا

ہاتھ پر کھینچ ٹیکا یا ہاتھ لے کے مالا
پوچھا گتھا بکھانی کیا کیا شہر نکالا
پوٹھی بغل میں دابی نہ تار کو سنھالا
کچھ بن سکنا نہ آیا جب جان لینے والا
دید ویران پڑھ کر مہر ہو تو پھر گیا

یا لے کے اک قلمدان اور لکھ قلم کو کمر پر
جب عمر کی کچھری چھانکی قھٹانے آکر
جوڑے حساب لاکھوں چہرے لکھے سر پر
پھر آپ نے قلمداں کا غدر ہانہ دفتر

منشی وکیل دیواں مر مر ہوا تو پھر کیا

یالے قضا کی خدمت ہو بیٹھے آپ قاضی
اعلام لے قضا کا جب آفنا پکاری
مختصر قبائل لکھے تھیں چکائے شرعی
پھر محکمہ نہ جھگڑا قاضی رہا نہ مفتی
کوڑا بسید ڈرہ در پر ہوا تو پھر کیا

کتوال بن کے بیٹھا یا صدر ہو مقرر
جس مرد با قضا کا آیا چھری اٹھا کر
فاسق ڈکے ہزاروں اور چور کانپے تھر
کتوالی اور صدارت سب اڑ گئی ہوا پر
دودن کا خوف خطرہ اور ڈر ہوا تو پھر کیا

کہتے ہیں کتنے ہم تو ہیں ذات بیکار
جس دم قضا پکاری ایسا کھچاویاں جی
ہم شیخ ہم مغل ہیں ہم ہیں ٹھکان بان
پھر شیخ جی نہ سید مرزا رہے نہ خاں جی
ذات و حسب نسب کا جوہر ہوا تو پھر کیا

یالے کے زرجاں میں کرنے لگے تجارت
کھولیں قضاے ہمایاں جب کرے گا کشتار
یا سیدھ بن کے بیٹھے خاص بناعمارت
سب کوٹھی اور دکانیں کر ڈالیں نعم مرعات

مال و مکاں جواہر اور زر ہوا تو پھر کیا

یا ہوسپاہی بانکا ترچھا بڑا کسا یا
کھیتوں میں جا کے کودا لکھوئے گئے بھگتیا
بلدار باندھ چہرہ طرے کو جگڑا یا
جب منہ ایل کا دیکھا پھر کچھ جی بن نہ آیا

نکیتا شجاع بہادر صغدر ہوا تو پھر کیا

کتا تھا کوئی دیکھو یہ میر خاں جی
بچی اٹھا قضا کا جیسا ہے شیر خاں جی
اور یہ ہیں خان خانان در ہیں میر خاں جی
پھر کس کے میر خاں جی کے زیر خاں جی

نکیتا شجاع بہادر صغدر ہوا تو پھر کیا

کتنا تھا کوئی گھوڑا ہے نامدار خاں کا یہ پالکی یہ ہاتھی ہے ذوالفقار خاں کا
 آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا خر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا
 چھپان مسک ڈمیر در پر ہوا تو پھر کیا
 کتنوں کو بادشاہی کیا کیا خطاب آیا ہر س بڑی کھڑکیں سکہ بڑا جمایا
 جب آن کر فنانے نام و نشان مٹایا وہ نام اور وہ سکہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا
 دو دن کا ہر چھپایا در پر ہوا تو پھر کیا
 جاگیر میں کسی نے زر و نیر ملک پایا کر بند و بست اپنا نظم و نسق بٹھایا
 لے کر سند اجل کا جب چوہدرار آیا اک دن میں حکم حاصل سب ہو گیا پرایا
 بائیں حصار کھٹھا بھکر ہوا تو پھر کیا
 کتنا تھا کوئی اشکر ہے طرہ باز خاں کا یہ خیمہ شامیانہ ہے شہسوار خاں کا
 آیا کٹاک اجل کے جب یکہ باز خاں کا سر بھی کہیں نہ پایا پھر سردار خاں کا
 سردار میر بخشی بڑھ کر ہوا تو پھر کیا
 ہاتھی پر چڑھ کے نکلے یا خاں گھوڑے پر یا پالکی سنبھالی یا پالکی کی جھال
 بسے صراحی حقہ دوڑے جلیپ اندر جب آ اجل بیکاری صاحب ہانہ نوکر
 آقا ہوا تو پھر کیا نوکر ہوا تو پھر کیا
 یا بی سے کسی نے کی عشق کامیابی نشہ میں لوٹا ہر جا کر دل سے بے حجابی
 جسد م قضا نے اپنی جھمکائی اک کلابی پھر لے رہی نہ مینا نے مست نے شہزادی
 اک دم لبوں پہنے کا ساغر ہوا تو پھر کیا
 حسن و جمال پا کر یا خوب رو کہا یا یا عشق میں کسی نے جی جان کو بٹھایا

اگر پڑا سروں پر جس دم اہل کاسایا دونوں میں پھرسی کو ڈھونڈا کہیں پایا
عاشق ہوا تو پھر کیا دلبر ہوا تو پھر کیا

یا ہر کے پیرزادے کر لے لگے فقیری کیے کے مرید کتنے کی ان کی دستگیری
جب پیر من کی کفتی آخر اہل نے چری سب اڑ گئی ہوا پر دم میں مریدی پیری
مرشد فقیر ہادی رہبر ہوا تو پھر کیا

یا سر منڈا کے بیٹھے آزاد ہو لو کیلے یا خود منڈے کھا کر سو روپ رنگ کیلے
میلے گئے ہزاروں منڈے فقیر چیلے جب آفتا پکاری جاسور ہے اکیلے

تکیہ ہوا تو پھر کیا بستر ہوا تو پھر کیا
جوگی اتیت جنگم یا سیورا کیا یا یا کھول کر جٹا کو یا گھونٹ سر منڈیا
ترسولے قصاکا جب وقت سر پیا لے بالے کو کھامانے آپ کو بچایا

ناتک کبیر منہقی بھر تھر ہوا تو پھر کیا
یا نیک بن کے بیٹھے اچھٹ لگ کمانے یا ہر کے بدہر اک کے دلو لگ ستانے
آکر بچے اعل کے جب سر پشادیا نے تھے نیک و بد یہاں تک سب لگ لگ کھکھکے

بہتر ہوا تو پھر کیا بدتر ہوا تو پھر کیا
کیا ہندو و مسلمان کیا زندگیر و کافر نقاش کیا مصور کیا خوشنویس و شاعر
جتنے نظیر ہیں یاں اک دم کے ہر مسافر رہنا نہیں کسی کو چلنا ہے سب کو آخر
دو چار دن کی خاطر یاں گھر ہوا تو پھر کیا

سب مرید اسے ہیں

دنیا میں اپنا جی کوئی بھلا کے مر گیا دل تنگیوں سے اور کوئی اکتا کے مر گیا
 عاقل وہ تھا جو آپ کو سمجھا کے مر گیا بے عقل چھاتی پیٹ کے گھر کے مر گیا
 دکھ پا کے مر گیا کوئی سکھ پا کے مر گیا
 جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا
 دن رات وُن مچی ہے یہاں دُری چلتے چلتی ہیں نہت اہل کی سناں گولی اور فنگ
 جس کا قدم بڑھا وہ مواد وہیں بے رنگ جو جی چھپا کے بھاگتا تھا اس کا ہوا یہ رنگ
 وہ بھاگتے میں تیغ و تبر کھا کے مر گیا
 جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا
 پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جزو کل یا چپ گزاری عمر و یاد صوم کمر چہل
 جب ان کو فنا نے کھلایا اہل کا گل کام آئی کچھ کسی کی خموشی نہ شور و غل
 چپکے کوئی مولا کوئی چلا کے مر گیا
 جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا
 پڑھ کر نماز کوئی رہا پاک با وضو کوئی شراب پی کے پھر مست کو بکو
 نا پاکی پاکی موت کے ٹھہری نہ رو بہ کوئی عبادتوں سے مولا ہو کے سرخ رو
 نا پاک دو سیاہ بھی پچتا کے مر گیا
 جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا
 کر دل کے آئینے کے تئیں صاف اگیار کشف قلوب دل پہ کیا اپنے آشکار

جب پیاک نے اہل کے کیا آن کر گزار کام آئی روشنی نہ گرامات کی ہمار
کامل فقیر خلق میں کہلا کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا
بالفرض گر کسی کو ہوئی یاد کیمیا
یا مفلسی میں ایک نے خون جگر پیا
کوئی زیادہ عمر سے اک دم نہیں جیا
سوکھی کسی نے رونی چبا غم میں جی بیا
قلبہ پلاؤ زردہ کوئی کھا کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا
پہنا کسی نے خوب لباس عطرین بھرا
یا چیتھڑوں کی گڈری کوئی اورھ کر بھرا
آخر کو جب اہل کی چلی آن کر مہوا
پولے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا
باع و مکان محل کوئی بنو کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا
گیسو بڑھا کے کوئی مشایخ ہوا یہاں
یا بے نوا ہو کوئی ہوا خود منڈا یہاں
جب مرشداہل کا قدم آیا دریاں
کوئی تو لمبی ڈاڑھی لئے ہو گیا رواں
موچھیں بھویں تلک کوئی منڈوا کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا
گر ایک بے وقار ہوا ایک قدر دار
سر پر لگا جب آن کے تیغ اہل کا وار
بے قدری کام آئی کسی کا نہ کچھ وقار
تھا بیچیا سو وہ تو موانکھو کے تنگ و غار
اور جس کو شرم تھی سو وہ شرما کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کوئی موتی چاہتا تھا کوئی موٹھ اور مٹر
 جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
 کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر
 یہ خاک پر مواروہ مواروہ تخت کے اوپر
 تھی حبیبی جس کی قدر وہ بتلا کے مر گیا
 جیتا رہا نہ کوئی ہراک آ کے مر گیا
 کیا اوجھی ذات پات کے شرف کیا حبیب
 قسمت سے پھوٹی کوڑی کسی کے یہ ہوئی نصیب
 جب دم قضا کے ہاتھ نے بند آنکھ کی حبیب
 کیا ہوشیار عاقل و دانا و کیا طبیب
 کوئی خزانے خاک میں گروا کے مر گیا
 جیتا رہا نہ کوئی ہراک آ کے مر گیا
 پرومید شاہ و گداسیہ اور وزیر
 سب آن کر اہل کے ہوئے دام میں سپر
 مفلس غریب صاحب تاج و علم سپر
 کوئی ترس ترس کے مواعظ میں اسے نظیر
 کوئی ہزاروں عیش کی ٹھہرا کے مر گیا
 جیتا رہا نہ کوئی ہراک آ کے مر گیا

موت سے عقلیت

جب یار نے اٹھائی چھری تب خبر پڑی
 اور دوں ہی اک بدن پہ چڑی تب خبر پڑی
 اُلفت کی آگ دلیں پڑی تب خبر پڑی
 جب آنکھ اس صنم کی لڑی تب خبر پڑی
 عقلیت کی گردول سے جھڑی تب خبر پڑی
 جب تاک چڑھی جوانی تھی اور بال تھے سیاہ
 اُلفت کسی سے پیار محبت کسی سے چاہ
 آئی شراب اس میں بڑھاپے کی خواجواہ
 پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ

دلبر نے دی پھر اس سرکڑی تب خبر پڑی

تھے جب تلک دھیر رہے تو بھی ولولے اور جب سفیر ہو کے ہوئے برف کے ڈلے
یاروں سے تب یہ بولے کہ لو یا رہم چلے لائے تھے ہم تو عمر پٹایاں لکھا دے

جب سیاہی پر سفیدی چڑھی تب خبر پڑی

ڈاڑھی کی جب کہ رات گئی اور سحر ہوئی تو بھی یہ دل میں خوش تھی کہ مرنا نہیں ابھی
دلبر کھڑا بجاوے تھا کھڑیاں عمر کی سن سن کے سن تو ہوتے تھے پر کچھ خبر نہ تھی

باجی جب آجگر کی گھڑی تب خبر پڑی

اس حال پر بھی کچھ نہ ہوئی دیدار شنید دانتوں پر اس میں آن کے حل پڑی تھڑ
منشی قصا کا لکھنے لگا جنس کی رسید ڈاڑھیں لگیں اکھڑے تو دنداں ہوئے شنید
مجلس میں حل پل پل یہ پڑی تب خبر پڑی

اس پوپلے ہی منہ سے لگے کرنے پھر نیاہ کانوں کے اس میں آن کے پڑے ہوئے تھا
گردن پھر اس میں ہلنے لگی کہ ہوئی نگاہ بن دانت بھی منہ سے پہ جب نکھیں چلیں تو آہ
جب لاگی آنسوؤں کی جھری تب خبر پڑی

دھاتے تھے واں ضرورتوں کی محل سرا یہ گھر بنا رہے تھے دیوالیں اٹھا اٹھا
اس میں قصا کا راج جو کوٹھے پہ آچرھا شہتیر سا جو قد تھا سو خم ہو کے جھک گیا
گرنے لگی کڑی یہ کڑی تب خبر پڑی

کبڑے ہوئے توجہ بھی نہ سمجھے یہ ہوشیار یعنی کاب تو بانڈھے گھوڑے پہ بوجھ بھا
پھر اس میں آ کے سر لے لیا پانوں پر قرار جوگاں سے کمر کے تئیں سر کی گیند مار
کھیلا جب آ کے گیند پڑی تب خبر پڑی

یہ تو لگائے بیٹھے تھے اپنی بڑی دکان
تھے غرق لین دین میں اور کچھ بھی نہ دھیان
لیکھا جب اسمیں عمر کا ڈیوڑھا ہو جیسا
کیا چون ٹھہرا نہ ہوا تب بھی کچھ گیان

جب لٹ گئی دھڑکی دھڑکی تب خبر پڑی
بستر پر جب تو آن پڑے لوٹ کر نہ تھا
ہونے لگی فرشتوں سے نظر و بین قال
اٹھنے دے کون آہ جو کروٹ ہوئی محال
جی غش میں ڈوبا تو بھی نہ تھا کوچ کا خیال
جب سانس آگئے میں اڑی تب خبر پڑی

چھاتی پر چڑھ قہنائے لیا جب گلے کو گھونٹ
پانی کا پھر تو آہ نہ اتر آگے سے گھونٹ
اکھڑی بدن سے جان بھی رگ رگ سے چھوٹ
پنجنہ دکھا یا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ
جب چاب لٹی گئے کی نڑی تب خبر پڑی

کانہ سے پر رکھنے پا لکی لے آئے جب کھار
اور فل چاکے بسے کہ جلدی سے ہو سوار
اسمیں نہا کے آپ بھی جلدی ہوئے تیار
کپڑے بدل کے عطر لگا پن بھول ہار
نکلی سواری دھوم مچی تب خبر پڑی

جب پا لکی میں چڑھ کے چلا آپ کا بدن
کلمہ نقیب پڑھتے چلے ساتھ گر بھین
تو بھی یہ کہتے تھے کہ ہوا کون بے وطن
جب آئے اس گڑھے میں نظیر اور ہزار من
اوپر سے آئے خاک پڑی تب خبر پڑی

سواریاں

کیا کیا جہاں ہیں اب ہیں ہماری سواریاں
دکھ پ و دیفریب ہیں ہماری سواریاں
کس کس طرح کی تھیں ستواری سواریاں
پریم سے کچھ نہ کر گئیں یاری سواریاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ تخت جس پہ کل تھا جواہر جڑا ہوا کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے بکا
جس دم اجل نے کھنکھنے کے اوپر دیا سلا اس تخت کے بھی ہو گئے تختے جدا جدا

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

ہاتھی جو تھے پہاڑ کی مانند تن سیاہ جن پر کسبیں عماریاں رخشندہ رشک ماہ
ہو دوں کی بھی چمک پہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے واہ

جب کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

خاصے وہ گھوڑے ترکی و تازی جو تھے بڑے جن پر سنہرے زین جواہر کستے پڑے
طائفان کمن بھی مہنہ سناتے رہے چھوٹے اور بڑے مالک چلا تو سب وہ وہیں رہ گئے کھڑے

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ پالکی بنی تھی سنہری جو زر نگار جھال رہ جس کی ہوتے تھے موتی بڑے نثار
لانا لکی پہ موت نے جب کر لیا سوار پھر وہ نہ پالکی نہ وہ جھال رہ نہ وہ کھار

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

تھیں وہ رتھیں کہ بیٹھے تھے جن جن پہ کھیل بچتے تھے زناں در تھے کلسانے جوں سہیل

رتھ بان لئے اہل کے جوں میں کر لیا وہیل پھر کس کی چھتری پہئے کہاں اور کہاں کے بل

جب چار کا ندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ گاڑیاں جو وہ ٹکے تھیں گھوڑوں سے پیشتر ناگوری ان کے ہاتھی کے پاٹھے سے خوشتر
ہیافضل کے ہاتھ سے جب اٹھا آن کر گاڑی ادھر اٹ گئی مالک گرا ادھر

جب چار کا ندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

گھڑ بیل، فیل بیل، شتر بیل راہ دا ہر نوں کی بیل، بکری بیل گھنٹہ گھنٹہ دار
مالک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار پھر بھلیاں نہ بیل نہ جھنکار نہ پکار

جب چار کا ندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

میانہ محافہ اور وہ چندول نگھیاں وہ پینسیں وہ بوچے وہ چوپائے خوشنشاں
مالک ہوا جل کے جو کھڑکھڑا پر رواں بوچا گیا نہ ساتھ میانہ گیا میاں

جب چار کا ندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

چھکڑے لڑھے شتر بیل اور بھکے خچر ٹو، حمار، بھینسے وہ لہرنے کے گورخر
مالک چلا جو موت کے تانے کو چھیر کر بھینسا گیا نہ ساتھ نہ ٹو نہ کاڈنر

جب چار کا ندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں

جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

اسوار جب اہل کا ہوا آن کر اسیر
ہاتھی بھی خاک ڈالتے سر پر رہے حقیر
گھوڑے بھی ہنہناتے رہے سب جوان پر
یہ بات تو عیاں ہے کہوں کیا میاں نظیر
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

موت کا دھڑکا

دنیا کے سچ یار و سب زینت کا فراہ ہے
جب مر گئے تو آخر پھر عمر خاک پا ہے
جہنم کے واسطے ہی سب ٹھٹھا ٹھٹھا ہے
لے باب ہے نہ بیٹا نے یار آشنا ہے
ڈرتی ہے روح یار و اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام موت لو مرنا بڑی بلا ہے
جہنم کے دلوں پر دم کیا عیش پے رہے ہے
جب مر گئے تو ہرگز نہ ہے نہ کوئی شے ہے
گلزار ناز سیریں ساتی طرچی ہے
اس مرگ کے ستم کو کیا کیا لوں میں ہے ہے
ڈرتی ہے روح یار و اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام موت لو مرنا بڑی بلا ہے
ہے دم کی بات جو تھے مالک یا پنے گھر کے
یوں مر گئے کہ گویا تھے نقش رہنم کے
جب مر گئے تو ہرگز گھر کے رہے نہ در کے
پوچھنا نہ پھر کسی نے یہ تھے میان کدھر کے
ڈرتی ہے روح یار و اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام موت لو مرنا بڑی بلا ہے
مرنے کے بعد کوئی الفت نہ پھر جتاوے
بیٹا نہ پاس آنے بھائی نہ منہ لگاوے

جو دیکھے انکی صورت دہشت سی بھاگ جاوے اس مرگ کی جفائیں کیا کیا کوئی سناوے
ڈرتی ہے روح یار و اور جی بھی کا پتا ہے

مرنے کا نام موت لو مرنا بری بلا ہے
پیتے تھے دودھ شربت اور جاتے تھے میوا مرتے ہی پھر گچھ ان کا سگڑہ رہا نہ سیوا
بچے متیم ہو کے بیوی کھائی بیوا اس مرگ نے اکھاڑا کس کس بدن کا لہوا
ڈرتی ہے روح یار و اور جی بھی کا پتا ہے

مرنے کا نام موت لو مرنا بری بلا ہے
جب روح تن سے نکلتی نانیں بیاں پھر کاہیکو دیکھتے ہیں یہ باغ و بوستاں پھر
باقی یہ چڑھ کے بیاں پھر گھوٹے پہ چڑھتے وال پھر جب مرے تو لوگو یہ عشرتیں کہاں پھر
ڈرتی ہے روح یار و اور جی بھی کا پتا ہے

مرنے کا نام موت لو مرنا بری بلا ہے
گھر ہو بہشت جکا اور بھر رہی ہو دولت اسباب عشرتوں کے محبوب خوبصورت
پھر مرتے وقت ان کو کیونکہ یہ ہوئے حسرت کیا سخت بے بسی ہے کیا سخت بے نصیبت
ڈرتی ہے روح یار و اور جی بھی کا پتا ہے

مرنے کا نام موت لو مرنا بری بلا ہے
گھانیکو انکا دولت موسو طرح کی آتی اور وہ نہ پاویں ٹکڑا دیکھو کسم ان کی جھاتی
کوڑی کی جھونپڑی بھی جھونپڑی میں ہے جاتی لیکن نظیر سب کچھ یہ موت ہے پھر ڈالتی
ڈرتی ہے روح یار و اور جی بھی کا پتا ہے
مرنے کا نام موت لو مرنا بری بلا ہے

حصہ سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد الہی

یار بے تیری ذات کو دونوں جہان میں برتری
 وا تم ہے خاص عام پر لطف و عطا حفظ آوری
 ہے یاد تیرے فضل کو رسم ظلمات پروری
 انسان کیا کیا طائراں کیا وحش کیا جن پروری
 پالے ہے سب کو ہر زمان تیرا کریم اور یاد دی
 تو خالق ارض و سما تو حاکم قدرت نما
 برتر مقدس ذو العلاء بندے تیرے شاہ و گدا
 دنیا و دیں کی یا خدا برحق تجھی کو ہے روا
 فرماں روائی حاکمی شاہی خدائی سروری
 قدرت نے تیری ہر زمان لیکر زمیں آسماں
 کیا کیا بہاریں کہیں عیاں کیا کیا دکھائیں خوبیاں
 مرغوب رنگ میزیاں محبوب حسن آرائیاں
 حقائق تیری صنوعات یہاں ہیں حتم لاریب گماں
 رنگینی و طراچی و نقاشی و صورت گیری
 تو نے بنائے سب فلک پیدا کئے حور و ملک
 انسان جمیع و پر شک جیواں عجائب یک بریک

ہر جاتجلی اور جھمک بے انتہا نور اور چمک
کہتی ہے دانش انکو تاک ہے یہی قدر کی جھلک
چمکے ہیں جس سے اس قدر خورشید ماہ و شتری

تو قادر و سبحان ہے اقدس معلا امتثال ہے
خالق ہے اور رحمان سر راق اور منان ہے
پیر اکرم ہر آن ہے احسان بے پایاں ہے
ہم کو ہی شایان ہے جبتک بدن میں جان ہے

ہر آن میں لاویں بجا شکرانہ و فرمانبری
جو جو ہیں تیری قدریں کیا کیا بیاں اُٹھائیں
آتی نہیں کچھ فہم میں خبر یہ کہ ان کو تاک رہیں
کیا کیا بنائیں تمہیں کیا کیا بنائیں جنتیں
کب شکران کا کرستیں لیکن ہی ہر دم کہیں
یارب ترا فضل و کرم لطف و عنایت گستری

ہے تو ہی رب العالمین اور تو ہی خیر الراحمین
لیکتائی ہے تیرے تئیں ہر تر اکوئی نہیں
لے اعمال سے ناز میں ہیں سب عباد و تابعین
ہے یہ نظیر عصیاں قرس جلنے ہے باعدن و نقس
ہو گئی ترے ہی فضل سے ہر جانوری کھوئی کھری

کل عالم تیری یاد کرے

اس ارض و سماں کے عرصے میں یہ جتنا کچھ کچا ہے
یہ کٹھا کٹھ کھجی نے باندھا ہے یہ رنگ کھجی نے رچا ہے
جیوان کچھیر و ترناری کیا بوڑھا یا لک بچا ہے
کیا دانا بنیا ہوش بھرا کیا بھولا ناداں کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب دیکھا مچا ہے
کوئی تھا لوق باری مدد مولا رحمان رحیم اللہ منگری

کوئی الگ روپ کرتا رکھے نکال نہ بن نہ دھاری
 کوئی راہم راہم کہہ کر سمجھے کوئی بوسے شیو شیو ہری ہری
 کیا داتا دینت دیوال کیا راجہ جس دیوت جن وپری
 کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے
 پھلواری باڑی باغ چمن ہے سب کھتری یاد بھلی
 تو مالی والی رکھوالی کیا برج بھلی کیا پیر پٹی
 کوئی مالا پھیرے کوئی سحر ہے سب کے دل میں یاد بھلی
 کیا چونی جڑ کیا پھل کوئل کیا سہنی پٹا کھلی کلی
 کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

دریاد صمد رنجیل نہر ندی نالے ڈیرے جوہر
 سچی گھونگے کوڑی موتی گھڑیاں اور ناکے سوس مگر
 چھ نکیس بھینسیں گوہر چھینکے مرغابی بطنج بیل انہر
 کیا لاجی پروی اور بھنور کیا کچھ چھ اور کیا جی جہتر
 کل عالم تیری یاد کرے تو مالک سب کا سچا ہے
 ہوشیار و داناست سٹرا عیار نظر ناقص کامل
 سرور غریب ادنیٰ اعلیٰ زیرک سیانا ناداں زہل
 رمال نجومی گھڑیاں ملا بہمن پست سٹت عاقل
 کیا بید ہندس ابجد و ال کیا عالم فاضل کیا جاہل
 کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

سیار و ثلثت لوح و قلم جنات فذلک فہم دس ترک
خود شیر سے لے مہتاب ملک مہتاب سونے خوشترک

آوار طیار نع قوس جدی میزان اسد سرطاں ہر یک
کیا رضواں غلماں جنات کے کیا عرش بریں کیا حورو ملک
کل عالم تیری سیر کرے تو صاحب سب کا سیاح

ہیں دشت و بیاباں اور دای و عہ میدان صحرانگل
ویرانہ بہت جھاڑ شجر بوٹی جھاڑی اور پیر جبل
پیلو پاگھر نما سنبھل کچنال سنبھا لوڑ پیل
گیا ابر ہوا کیا برق گھٹا کیا دل بادل کیا حال بھل
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سیاح

راہیل نگار و دلہری مدالت بیلا اور سمن
دوپہری گیندرا گل لالہ نافرماں کرنا بان مدن
جانی جوئی شبو نرگس سنگار چنبیلی سیم بدن
کیا پھول گلانی گل طرہ کیا ویلا بانکا سکودرشن
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سیاح

انگور سنگرہ نارنگی بڑا سیو سدا بھل سبتا بھل
نارنج چنبیلی اور کوئے تھٹے میٹھے کرکھ کلکل
انب اٹی جاسن ملک سری باوام تھہارے اور جا بھل
کیا گو لکھتے سوسری کیا شفتا لگو کیا کھل بھل

کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
 گڑھ دو پہلے کلنگ اور باز کوئی سارس بگلا کوئل تیرا
 سرخاب و ترقی زراغ و زغن سیرغ اور سارس مورخ
 بہری لکھڑ طوطا مینا ہر پر شکرے ہائے تیر
 کیا بلبل تیری لعل بیا کیا لکھی بھنکا اور چھڑ
 کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
 گج گینڈا ارنا شیر بلنگ آہو ہرنی رو بہ گیدڑ
 سیسی نیولا سانڈا بچھو افعی پتیل جتی اثر در
 کج کوہی پال اگر گچرغ گرگٹ چل پاسہ موش دگر
 کیا جل مالش کیا بن مالش کیا ہاتھی گھوڑا بیل شتر
 کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے
 ابدال قطب اور غوث ولی بے دھیان میں تیرے دل کا
 کیا گیانی دھیانی نار دمن کیا جوگی جنگم گر چیل
 تو پالنے والا ہے سب کا اور سب کا جتھ سے دھیان لگا
 کیا شاہ نظیر اور کیا راجا کیا مفلس کیا کنکال گدا
 کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

معرفت الہی

بنائے اسے اپنے دل تنگ میں پہچان ہر باغ میں ہر دشت میں ہر سنگ میں پہچان
 ہر نظم میں نظیر ہے صحت الفاظ کا خیال نہیں رکھا۔

بیرنگ میں بازنگ میں نیرنگ میں بھان
نت روم میں اور ہند میں اور رنگ میں بھان
بیرغرم ارادہ میں ہر آہنگ میں بھان
منزل میں مقامات میں فرسنگ میں بھان
ہر راہ میں ہر ساتھ میں ہر سنگ میں بھان
ہر دھوم میں ہر لمحہ میں ہر جنگ میں بھان

ہر آن میں ہر بات میں ہر دھنگ میں بھان

عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں بھان

پھل پات کہیں شاخ کہیں پھول کہیں
آزاد کوئی سب کسی کا ہے کہیں
کرتا ہے کوئی ظلم کو لیتا ہے کوئی جھیل
ادنی کوئی اعلیٰ کوئی سوکھا کوئی دنیہیل
نرگس کہیں سو میں کہیں سیلا کہیں ریل
لگتا ہے کوئی راگ چنبیلی کا کوئی تیل
بانہ صبر کہیں تلوار اٹھاتا ہے کوئی تیل
جب غور سے دیکھا تو اسی کہیں سیریل

ہر آن میں ہر بات میں ہر دھنگ میں بھان

عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں بھان

گاتا ہے کوئی شوق میں کرتا ہے کوئی حال
ہنستا ہے کوئی شاد کسی کا ہے برا حال
ناچے ہے کوئی شونج بجاتا ہے کوئی تال
کرتا ہے کوئی ناز و گھاتا ہے کوئی بال
چھانے ہے کوئی خاک اڑاتا ہے کوئی مال
روتا ہے کوئی ہو کے غم دور میں مال
پہنتا ہے کوئی چوڑے پاؤں سے ہر کوئی تال
جب غور سے دیکھا تو اسی کی ہر سب بال

ہر آن میں ہر بات میں ہر دھنگ میں بھان

عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں بھان

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار
پہنچا ہے کوئی پار بھگتا ہے کوئی وار
کتاب ہے کوئی دیر میں لکھی کی سماچار
بیٹھا ہے کوئی عیش میں کھیرتا ہے کوئی زار

عاجز کوئی سبکس کوئی ظالم کوئی لٹھ مار
مفلس کوئی لاچار تو انگر کوئی زردار
زخمی کوئی ماند کوئی اچھا کوئی بدکار
جب غور سے دیکھا تو اسی کے میں برابر

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان

عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہے کوئی ادنیٰ دوست کوئی جان کا دشمن
بیٹھا ہے پہاڑوں میں کوئی پھرتا ہے بن بن
مالا کوئی جیتا ہے کوئی شوق میں سمرن
چھوڑے ہے کوئی مال سیٹے ہے کوئی دھن
لکے ہے جو اہر کے پہن کر کوئی اہرن
لوٹے ہے کوئی خاک میں رو کے ملا تین
جوگی کوئی بھوگی کوئی سوگی کوئی سوگن
جب غور سے دیکھا تو اسی کے میں برابر

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان

عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

سردی نہیں گرمی کہیں جاٹ کہیں رہتا
دور نہ کہیں بکینے کہیں ارض و ہموات
پس کہیں غلماں کہیں ریاں کہیں جنات
اوچر کہیں بستی کہیں جنگل کہیں دیہات
سمجھتی کہیں راحت کہیں گردش کہیں سکنا
شادی کہیں ماتم کہیں فواد کہیں ظلمات
تارے کہیں معروج کہیں بیچ اوریں فزات
جب غور سے دیکھا تو اسی کے میں برابر

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان

عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

بیٹے ہے جو اہر کوئی زریعہ ظلم و انک
مارے کوئی یارے کوئی بنا کے کوئی مرگانک
دیتا ہے کوئی ہاتھ سے دیتا ہے کوئی مانگ
محتاج کوئی قوت کا رکھتا ہے کوئی دانگ
تھہرتا ہے کوئی چور گھاتا ہے کوئی تھانگ
ملتا ہے کوئی پرست کو پھلتا ہے کوئی بھنگ

گھنٹا بے کہیں جھانجھ کہیں تنگ کہیں بانگ جب غور سے دیکھا تو اسی کے ہیں سب رنگ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ناری کوئی بادی کوئی خاکی کوئی آبی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہے کتابی
صوفی کوئی زاہد کوئی بدست شربی
سچا کوئی جھوٹا ہے کوئی رند خرابی
مارے ہیں زٹل کوئی کوئی حبیب ہے وہی
کالا کوئی گورا کوئی پیلا کوئی آبی
ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

کیا حسن کہیں پایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا رنگ یہ رنگوا یا ہے اللہ ہی اللہ
کیا دھوپ ہے کیا سایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھہرایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا عشق کہیں چھایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا نور یہ جھمکایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا صبر ہے کیا مایا ہے اللہ ہی اللہ
کیا سجدہ نظر آیا ہے اللہ ہی اللہ

ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہمہ آوست

وہ رنگ کہیں لعل بدخشان میں آیا
یا قوت میں الماس میں مرجان میں آیا
نیلیم میں کہیں وہ درغلطان میں آیا
جب حسن ازل پر وہ امکان میں آیا

بے رنگ بہر رنگ ہر اک شان میں آیا
 بوہر کے ہر اک پھول کی پتی میں بسا ہے
 موتی میں ہوا آب سنار و نہیں ضیا ہے
 تنہا نہ ہمارے ہی وہ شہرگ سے ملا ہے
 نزدیک سے ہے جہاں اُس سے بھر ہے
 جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل تالاں
 کیا باغ چمن بختہ یا زیر خیا باں
 سب ملکے ہی بات پکارے ہیں ہر اک آن
 گل بھی وہی سنبل وہی رنگس وہی ریاں
 اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

کیا اصرار و سماح و دیو و پری جن
 کیا وحشی و طائر نہیں اک دم کوئی اُس بن
 ہر رات یہی بات یہی ذکر ہے ہر چمن
 اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن
 مذکور یہی آیت فسران میں آیا

مانی سے کہیں خاک کا پتلا وہ ہوا ہے
 یار و رح بن اس خاک کے پتلے میں گھسا ہے
 اپنی کو بنایا ہے اور اپنی وہ بنا ہے
 حرمت سے ملائک لے اُسے سیدہ کیلے

جس وقت کی وہ صورت انسان میں آیا
 آکر کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ
 اور حال کہیں کرتا ہے لامنہ کے ادھر جھاگ
 جھامس کے شناساں میں ہی کتے ہیں بے لاگ
 مطرب وہی آواز وہی ساز وہی راگ

ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا
 کیا چمپئی کیا پستی کیا اُحضر و احمر
 کیا سوسنی کیا گشمشی کیا ابیض و صفر
 اب مثل نظیر اس چمن دہر کے اندر
 بے رنگ کے رنگوں کو ذرا دیکھ لے صفر
 سو طرح کے عالم کے خیا باں میں آیا

مطلوب حقیقی کی جستجو

میاں میں کیا کہوں احوال کی اپنے پریشانی
لگاؤ جھلنے مری آنکھوں سے اک دن خود بخود پانی
یکایک آپری اس دم مرے دل پر یہ حیرانی
کہ جسکی ہو رہی یہ جو ہر اک جا ہے فنا خوانی
کسی صورت سے اسکو دیکھئے کیسا ہے وہ جانی

چڑھا اس فکر کا دریا بھرا اس جوش میں آ کر
کہ اک اک لہر اس کی نے اڑا لایا ہوا اوپر
قرار و موش و عقل و صبر و دانش بہ گئے تیسرے
اکیلا رہ گیا عاجز غریب و سبکدوش بے پر
نگار و نے کہ اس مشکل کی ہوا ب کیسے آسانی

یہ صورت تھی اسی دل میں کہ عین اک اور لاڈالی
منگا تھوڑا سا گیر و اور وہیں گفنی رنگا ڈالی
بنامند رہے گلے میں ڈال سیلی بے لاڈالی
لگا منہ پر بھبھوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی

ہوا او دھوت جوگی جوگیوں میں آپ گر گئیانی
پھارے درد کے تھے سو تو کا ندھے پر لئے لٹکا
پھر اس سامان میں یار و یکا یک کچھ جو جوش آیا
لیا سینہ و راور ماتھے پہ کھینچا اس قدر شقا
کہ جسکے نوز سے جلنے لگی جوں شمع پیشانی

اٹھائی چاہ کی جھولی پیالہ چشم کا کھیر
منڈا سا گیر و بانڈھا رکھا ترسول کا ندھے پر
بنا کر عشق کا کنٹھا طلب کا سر پہ رکھ عکس
لگا جوگی ہو پھر نے ڈھونڈتا اس یار کو گھر گھر
دکان بازار کو چھوڑنے کی دل میں بھر ٹھانی

یہ سادھا جوگ میں لے پھر کہو کیا ہوا جوگی
کہوں کیا واہ وا اس وقت میں صبا ہوا جوگی
کوئی دنیا میں کا ہے کو غرض ایسا ہوا جوگی
محبت میں سر اسر دوب کر ایسا ہوا جوگی

کہ میری شکل بھی ہرگز کسی نے پھر نہ پہچانی

گلی تھی دل میں اک آتش دھواں اٹھتا تھا آنسو کا
طلب بھی یار کی اور گرم تھا بازار باتوں کا
تماشے کے لئے حلقہ بندھا تھا ساتھ لوگوں کا
نہ کچھ سر کی خیر تھی اور نہ تھا کچھ ہوش پاؤں کا

نہ کچھ بھوجن کا اندیشہ نہ کچھ فکر امل پانی

تو پھیرس جوگ کا باندھنا بچہ آن گرفتار
کہو پیارے ہمارے یار کو تم نے کمیں دیکھا
جو آیا سامنے میرے تو کہنا اس سے سنتا جا
جو کچھ مطلب کی وہ بولا تو اس سے اور کچھ پوچھا

وگروں ہی لگا کہنے تو پھر دینا انا کا

کبھی مالا سے کہتا تھا لگا کر بیٹے اے مالا
کبھی گھر کے بہنتا تھا کبھی لے سارا بچا تھا
ہوا ہوں جب سے میں جوگی تو ہی اس یار کی
لیوں سے آہ آنکھوں سے بہا پڑتا تھا دریا سا
عجب جنجال میں چکر کے دلے تھی پریشانی

کوئی کہتا تھا بابا جی ادھر آؤ ادھر بیٹو
جو کچھ درکار ہو سیوہ سٹھائی حکم فرماؤ
پڑے پھرتے ہو ایسے رات دن ٹاک پیٹھو سناؤ
نہ کہنا اس سے لے آؤ نہ کہنا اس سے مت لاؤ

خبر ہرگز نہ تھی کچھ اس گھڑی اپنی نہ بیگانی

ٹہری بدھائیں تھا اس دم آسمان جگمگ کر دھو دھو
کروں تدبیر کیا جس سے میں اس لدار کو پاؤں
کسے دیکھوں کسے پوچھوں کہہ جاؤ کہاں ٹھہرو
نشاں ہرگز نہ ملتا تھا پراپھر تا تھا جوں جوں

عجب دریاے حیرت کی ہوئی تھی آگے طغیانی

رہا کتنے دنوں روتا پھر اہر وشت میں نالال
پر اڑوں سے بھی سڑکا پھر شہر و خنیں ہو گریاں
غریب و بیکس و تنہا مسافر بے وطن حیراں
نہ کھانیکو ملا دانا نہ پیسے کو ملا پانی

پڑا تھا ریت میں اور دھوپ میں سوج سوجا تھا لگی تھی دل کی آنکھیں یار سلور جی نکلتا تھا
 اسی کے دیکھنے کے دھیان میں ہر دم نکلتا تھا ولے محبوب سے کچھ ہائے میرا بس چلتا تھا
 پڑے بہتے تھے آنسو لال گول لعل بدخشانہ
 صد محبوب کی آئی وہیں کانٹوں میں اں میرے بدن میں آگیا جی اور وہیں دکھ درد سب بھولے
 پھر آنکھیں کھول کر دلبر کے منہ پر ٹپک نظر کر کے زمین و آسمان جو وہ طبع کے کھل گئے پردے
 مٹی اکن میں سب کچھ خرابی اور پریشانی
 ہوئی جب آ کے یکتائی دونی کا اٹھ گیا یاد جو کچھ دہم گماں تھا گئے اکٹھے ہو پارا
 نظیر اس دن سے ہم نے پھر جو دیکھا خوب کراہا وہی دیکھا وہی سمجھا وہی جانا وہی پایا
 برابر ہو گئے ہندو مسلمان لبر و نصرانی

رضا

گر تجھ میں اے پریر و یا صریح جفا ہے یار استی کا ملنا یا سرسرد غلبہ
 کر تو وہی جو تیرے اب دل کو خوش لگا ہم جانتے نہیں ہیں کچھ نیک و پاک کیا ہے
 راضی ہیں ہم اہی میں جس تری رضا ہے
 یاں یوں بھی واہ واہ ہے اور وہ بھی واہ واہ
 کچھ دل میں ہے تو دل کی آبادیاں بھی کرے جو رستم کی اپنے استادیاں بھی کرے
 بیدار ہے تو ظالم سبیر دیاں بھی کرے جلاد ہے تو کافر جلادیاں بھی کرے
 راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے
 یاں یوں بھی واہ واہ ہے اور وہ بھی واہ واہ

اب در پہ اپنے ہم کو رہنے دے یا اٹھا دے ہم اس طرح سے خوش ہیں رکھ یا ہو بتا دے
عاشق ہیں زلفندرجاہ جہاں بٹھا دے یا عرش پر پڑھا دے یا خاک میں ملا دے
راستی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ واہے اور وول بھی واہ واہے

گر مہر سے پلاوے تو خوب جانتے ہیں اور جو رے ڈباوے تو ڈوب جانتے ہیں
ہم اس طرح بھی تھک کر خوب جانتے ہیں اور اس طرح بھی تھک کر خوب جانتے ہیں
راستی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ واہے اور وول بھی واہ واہے

اک دن وہ تھا کہ ہم پر تھے عیش کے دھڑکے یاں طلبوں کے ہم پر اور غیر پر کڑا کے
اب غیر پر کرم ہے اور ہم پر ہیں جھڑکے ہم سب طرح خوشی ہیں سنتا ہے اور لڑا کے
راستی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے

یاں یوں بھی واہ واہے اور وول بھی واہ واہے
یا دل سے اب خوشی ہو کر پیار ہم کو پیارے یا تیغ کھینچ ظالم ٹکڑے اڑا ہمارے
جیتا رکھے تو ہم کو یا تن سے سرتارے اب تو نظیر عاشق کہتے ہیں یوں پکارے
راستی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ واہے اور وول بھی واہ واہے

توکل

اے دل کیس تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے اور درد دل کا اپنے کسی کو تو منت سنائے

مانگ اس سے جس کے ہاتھ سی ٹوپیٹ بھر کے کھائے مشہور یہ مثل ہے کہوں کیا میں تجھ سے ہلے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

ستارہ وال جلال حراوند گرد گار رراق کار ساز مدد گار دوست دار

انسان جن و دیو و پری فیل و مور و مار جاری اسی کے ہاتھ سے ہیں سب کار و بار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

کنے کے تئیں اگرچہ وہ اب بے نیاز ہے پر سب نیاز مندوں کا اسپر ہی ناز ہے

جتنے ہیں بندے سب کا وہ بندہ نواز ہے جتنی ہے خلق سب کا وہی کار ساز ہے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اہل جہاں میں جتنے تو ان سب کا چھوڑا پٹھ پڑ پانوں پر کسی کے تواسے دل نہ جوڑا ہاتھ

دو ہاتھ والے جتنے ہیں ان سب سے موڑا پٹھ اس سے ہی مانگ جسکے میں اب سو کر وڑا ہاتھ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

اس کے سوا کسی کے کئے گر تو جائے گا اس آبرو کو اپنے تو ناحق گنوائے گا

مشرمندہ ہو کے یونہی تو جانی پھر آئے گا بن حکم اس کے یار تو اک جوتہ پائے گا

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زرسم۔ لعل جو کو تو بارے ہی سے مانگ
پیسہ بھی مانگتا ہے تو بارے ہی سے مانگ
صندوق مال و حسن کے پٹارے ہی سے مانگ
کوڑی بھی مانگنی ہے تو پیارے ہی سے مانگ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

نعت مٹھائی شیر و شکر نان ہی سے مانگ
کھواب تاش کاڑھا گزی ہاں ہی سے مانگ
کوڑی کی ہل سی مرتج بھی ہرن ہی سے مانگ
جو تکیو چاہئے سو مری جاں اسی سے مانگ

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

گروہ دلا یا چاہئے تو دشمن سے لا دلائے
بن حکم اس کے روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے
اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر اپنا منہ چپائے
گر چلو پانی مانگو تو ہرگز نہ کوئی پلائے

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار جس کو سمجھا ہے تو سیٹھ سا ہو کار
ہرگز کسی کے سامنے مت ہاتھ کو پیار
یہ سب اسی سے ملنے میں دن رات بار بار
پوری تری اسی کے دئے سے پڑیگی پار

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

زردار مالدار کے مت پھر تو اس پاس
ماں باپ یا دوست جگر سب سے جوڑ
محتاجی سے آپ وہ بٹھا ہے جی او اس
ہر دم اسی کریم کی رکھ دل میں اپنے آس

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا

مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے
 عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر
 اللہ ہی غنی ہے میاں اور سب فقیر
 کیا گنج و ملک و مال و مکاں تاج کیا سیر
 جو نامگنا ہے اس سے ہی مانگو میاں نظر
 غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اٹھا
 مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

ترک و تجرید

بھرے ہیں کیا کیا الٹ پلٹ کر کسی میں آکر یہ دم کسی کے
 کوئی کرے ہے کسی کی منت کوئی ہے چوے قدم کسی کے
 کسی پہ لطف و کرم کسی کے کسی پہ ظلم و ستم کسی کے
 کسے پڑی ہے میاں غرض اب جو کوئی کھولے بھرم کسی کے
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ خصم کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے
 نہ کوئی طالب ہوا ہمارا نہ ہم نے دل سے کسی کو چاہا
 نہ ہم نے دیکھیں خوشی کی لہریں نہ درد و غم سے کبھی کراہا
 نہ ہم نے بویا نہ ہم نے کاطانہ ہم نے جوتا نہ ہم نے گاہا
 اٹھا جو دل سے بھرم کا پردہ تو اس کے اٹھتے ہی پھرا ہوا
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ خصم کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

یہ بات کل کی ہے جو ہمارا کوئی تھا اپنا کوئی بگنا
 کہیں تھے نانی کہیں تھے پوتے کہیں تھے دادا کہیں تھے نانا
 کسی پہ پھٹکا کسی پہ کوٹا کسی پہ پیسا کسی پہ چھانا
 اٹھا جو دل سے بھرم کا تھا نانا تو پھر جی سے یہ ہم نے جانا
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنف کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے
 یہ سیر دیکھو کبھی ہمیں تھے کسی کے آلتا کسی کے نوکر
 کسی کے بندے کسی کے چیلے کسی کے خادم کسی کے چاکر
 کہیں تھے ملا کہیں سیالے کہیں بیٹے کہیں کمانگر
 کھلی جو آکر بھرم کی گٹھری تو سب وہ قضیے ہوئے برابر
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنف کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے
 ابھی ہماری بڑی دکان تھی ابھی ہمارا بڑا کسب تھا
 کہیں خوشامد کہیں درآید کہیں تو اٹھنے کہیں ادب تھا
 بڑی تھی ذات اور بڑے صفات اور بڑا حساب اور بڑا نسب تھا
 خودی کے مٹتے ہی پھر جو دیکھا تو کچھ حسب تھا نہ کچھ نسب تھا
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنف کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے
 ابھی ہمارے تھے یار کتنے ہمیں بھی ان سے تھی اک محبت

کہیں مروت کہیں فتوت کہیں خصوصیت کہیں عداوت
 کسی سے عداوت کسی سے کینہ کسی سے ناتا کہیں قرابت
 اٹھی جو دل سے بھرم کی ٹٹی تو پھر یہ دیکھی خدا کی قدرت
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے
 نہ ہم نے کیا یاں فقیری اب تک نہ ہم نے کیا یاں جہاں پناہی
 نہ فوج داری نہ ملک گیری نہ کچھ وزیر کی نہ بادشاہی
 نہ ہم نے اپنا بناؤ دیکھا نہ ہم نے دیکھی کبھی تباہی
 یہ سب بھرم کا بنا تھا نقشہ بھرم کی ٹٹی ہے یا الہی
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے
 پہاڑ صحرا و جھاڑ بوٹے کھڑے ہیں ارض و سما ہوئے سب
 ستارے لاکھوں چمک رہے ہیں تجلی نور و ضیا ہوئے سب
 بھرم کے اٹھتے ہی چھوڑ بھاگے جو بھوت جن تھے ہوئے سب
 کسی کا نام و نشان نہ باقی ہے یا الہی یہ کیا ہوئے سب
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے
 ابھی یہ ڈسب تھا کسی سے لڑکے کسی کے پانوں پہ جا کے پڑے
 کسی کے حق پر فساد کیجے کسی سے ناحق کو جا کے لڑے

ابھی یہ دھن تھی نظیر دل میں کہیں بگڑے کہیں جھگڑے
 دونوں کے اٹھتے ہی پھر یہ دیکھا کد اب جو لڑے تو کس سے لڑے
 نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
 عجب طرح کی ہوئی فراغت کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے

خود شناسی

لے آئینہ کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ صورت میں اپنی قدرت پروردگار دیکھ
 خال سیاہ اور خط مشکبار دیکھ زلف دراز طرہ عنبر بشار دیکھ

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
 اے گل تو اپنے جسم کی اپنی بہار دیکھ

آئینہ کیا ہے جان ترا پاک صاف دل اور خال کیا ہیں تیرے سویدائے رخ کے تل
 زلف دراز فہم رسا سے رہی ہل لاکھوں طرح کے چول رہے ہیں تجھی ہل

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
 اے گل تو اپنے جسم کی آپ ہی بہار دیکھ

مشابہ تار و مشکاب متن بھی تجھی میں ہے یا قوت سرخ لعل بین بھی تجھی میں ہے
 نسریں و موتیاؤں میں بھی تجھی میں ہے القصہ کیا کہوں میں سمن بھی تجھی میں ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
 اے گل تو اپنے جسم کی آپ ہی بہار دیکھ

سورج مکھی کے گل کی اگر دلمیں تاباں ہے تو اپنے منہ کو دیکھ کہ خود آفتاب ہے

گل اور گلاب کا بھی تجھی میں حساب ہے خسار تیرا گل ہے پسینہ گلاب ہے
 ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
 اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ
 نرگس کے پھول پر تو نہ اتنا گمان کر اور سرو سے بھی دل نہ لگا اپنا جان کر
 اپنے سوا کسی پہ تو ہرگز نہ دھیان کر یہ سب سار سے ہیں تجھی میں تو آن کر
 ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
 اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ
 نرگس وہ کیل ہے جان تیری شہم خوش نگاہ اور سرو کیل ہے یہ ترستہ دراز آہ
 گر سیر بان چاہے تو اپنی ہی کر تو چاہ حق نے تجھی کو باغ بنایا ہے واہ وا
 ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
 اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ
 گردل میں تیرے قمری و بلبل کل دھیان ہے تو ہونٹے تیرے قمری ہیں بلبل زبان ہے
 ہے تو ہی باغ اور تو ہی باغبان ہے باغ و بہن ہیں جسکے تو ان سب کی جان ہے
 ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
 اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ
 بیلا گلاب سیو قی نسرين و نسترن واڈوی جو ہی لالہ و زائیل یا من
 جسے جہاں میں بھولی ہیں بھولوں کی جہن یہ سب تجھی میں بھول رہے ہیں جہن جہن
 ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
 اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

بارغ و چین کے غنچہ و گل ہیں نہ ہوا سیر قمری کی سن صغیر نہ بلبل کی سن صغیر
 اپنی تسلیں تو دیکھ کہ کیا ہے ارے نظیر ہیں حرف من عرف کے یہی معنی اے نظیر
 ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
 اسے گل تو اپنے احسن کی آپ ہی بہار دیکھ

بے خبری کا عالم

کھلی جبکہ چشم دل حزیں نہ وہ نم رہا نہ تری رہی
 ہوئی حیرت ایسی گچھ آنکھ پر کہ اثر کی بے اثری رہی
 پڑی گوش جاں میں عجب نہ ا کہ جگر نہ بے جگری رہی
 خبر تجیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
 نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
 ہو میں کیا ہی دل کو فراغتیں گئی قیہ جب سے لباس کی
 نہ ہوا سے اطلس و گلبدن نہ تلاش بادلہ وزری
 کوئی پہنویا کہ نہ پہنوا ب غرض اس کو جانے بلاہری
 شبہ بخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
 نہ خرو کی بجیہ گری رہی نہ جنوں کی پروہ دری رہی
 کسی وقت کتب عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا
 کہ ہر اک سے حجت و بکت حق سوا اس علم کا یہ کمال تھا
 گیا حبب مدرسہ عشق میں تو پھر آگے یارو کہوں میں گیا

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی کیا درس نسخہ عشق کا
 کہ کتاب عقل کی طاق میں دھری جوں بھی دل ہی دھری ہی
 ترے منہ پہ اب تو ہے وہ جھلک کہ جہاں تو جا کے عیاں ہوا
 اگر آفتاب جمال تھا تجھے دیکھ وہ بھی نہاں ہوا
 کوئی آگے تیرے نہ آسکا وہ قمر کہ ہر نشاں ہوا
 ترے جوش حیرت حسن کا اثر اس قدر تو عیاں ہوا
 کہ نہ آئینے میں بھلا رہی نہ پری کی جلوہ گزرا رہی
 عجب اتفاق ہے خود بخود ہرے دل سے عیش نکل گیا
 پڑی آگ غم کی وہ تن میں آگ برنگ شمع بجھل گیا
 ادھر آہ شعلہ زناں ہوئی ادھر اشک نکھوں سے دھل گیا
 چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا چل گیا
 مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سوہری ہی
 کرے عشق اب وہ جہان میں کہ بھول سی مجھے وہ باتھو
 نہ کسی کے در سے چھپے کہیں نہ کسی کے خوف سے دیسے رو
 اسے کچھ کسی کی خبر نہیں ہوا اب تو سشل نظیر و
 ترے درد عشق میں اسے میاں دل بنو اسے سر ج کو
 نہ خطر رہا نہ حذر رہا جو رہی سو بے خبری رہی

رمال و نجومی

جہاں میں کیا کیا خرو کے اپنی ہر اک بجاتا ہے شادیاں
 کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا بکھانے
 کوئی ہے اعاقل کوئی ہے فاضل کوئی نجومی لگا کھانے
 جو چاہو کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانتے
 ہوا کے اوپر یہ آسمان کا جو خیمہ سبے چو بہ تن رہا ہے
 نہ اس کی سنجلیں نہ ہیں طنا ہیں نہ اسکی چوہیں ادھر کھڑا ہے
 ادھر ہے چاند اور ادھر ہے سورج ادھر ستارہ ادھر ہوا ہے
 کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا اور کا ہے کا ہے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانتے
 فلک تو کہنے کو دور ہے گا زمین اب جو یہ بستر ہے
 کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جیسے فلک سے سر جٹکا جا لگا ہے
 ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
 بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے

جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے
 زمیں سے لیکر جو آسمان تک بھری ہے لاکھوں طرح کی خلقت
 کہیں ہے ہاتھی کہیں ہے چوہنٹی کہیں ہے رائی کہیں ہے پت
 یہ جتنے جلوے دکھا رہی ہے خدا کی صنعت خدا کی حکمت
 جو چاہے کھولے یہ بھید اس کے کسی کو اتنی نہیں ہے قدرت
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے

جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے
 کوئی ہے ہنستا کوئی ہے روتا کہیں ہے شادی کہیں غم میں ہے
 کہیں ترقی کہیں تنزل کہیں گماں اور کہیں یقیں ہے
 کوئی گھٹا ہے زمیں کے اوپر کوئی خوشی سے فلک نشیں ہے
 یہ بھید اپنا وہ آپ جانے کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کی وہ رنگیں جو پڑ غرض بچپائی ہے اب خدا نے
 کوئی ہے کھٹکل کسی کا جاگ ہے پھرے ہیں زردی بھی غانے غانے
 جو پانسہ پھینکے بنا بنا اور واؤں کتنے ہی دل میں ٹھانے
 جو چاہتا ہے اٹھا رہا ویں تو اس کو پڑتے ہیں تین کالے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب یہ شطرنج کا سا نقشہ بچھا ہے دن اور رات اسجا
 جومات چاہے کرے کسی کو نہ آوے بڑا سکو ہات اس جا
 ہزاروں منصوبے باندھے دل میں بنا کے چالوں کی گھات اسجا
 نہیں ہے اک چارچوٹ قائم سمجھوں کی بازی ہے مات اسجا
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیا
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کے ورق بنے ہیں کوئی مکدر کوئی صفا ہے
 کسی کے سر پہ ہے تاج شاہی کسی کی شمشیر پر جفا ہے
 امیر کوئی وزیر کوئی - کوئی مفتی ساری میں دل خفا ہے
 سمجھوں کو اس جا خیال آیا یہ حق کی قدرت کا گنجا ہے
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیا
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج مالک وہ کیا کرے گا
 کسے بگاڑے کسے سنوارے کسے اندھا دے کسے بھرے گا
 کسے کے گھر کون ہوگا پیدا کسے کے گھر کون سامریگا
 کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے کہ چھوڑے کس کو کسے دھریگا
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیا
 جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے
 عجب طرح کا یہ حال ہے گا کس کسے دے دیا کس دے

منہ چھوٹے ہاتھی نہ چھوٹے چوہے نہ کوئی وحشی کوئی پرندہ
 بھوں کی گردن بھنسی ہے اس میں کسی کا ٹوٹا ہے ایک بچہ
 نظیر اتنی مجال کس کی کہاں حسد اور کہاں یہ بندہ
 پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانہ گردوں پندت ہزاروں سپاہ
 جو خوب دیکھا تو یا رآخر حسد کی باتیں خدا ہی جانتے

موازنہ زور و کمزوری

زور جب تک کہ ہمارے بدن و تن میں رہا
 کچھ گئی دم میں اگر کیسے ہی ثقل تھی دوا
 کھوندے گھزار و چین گلشن و باغ و صحرا
 دوڑے ہر سیر و قماشے میں خوشی سے ہرجا
 زور کی خوبیاں لاکھوں ہیں کہوں میں کیا کیا

عیش و عشرت کے فرے جتنے ہیں سب وہیں
 خرمی خوشدلی و عیش و طرب زور میں ہیں
 لذتیں فرحتیں کیا کہے عجب زور میں ہیں
 زندگانی کے فرے جتنے ہیں سب زور میں ہیں

سچ ہے یہ بات کہ ہے زور ہی میں زور فرا
 جب سے کمزور ہوئے تب سے ہوا یہ حوال
 سستی ضعف و نقاہت کی چڑھائی ہو کر
 اب جو چاہیں گے علیہ ہم بھر اسی طور کی چال
 قسم کرتے ہیں بہت پر نہیں جاتا ہے چلا

پانی پیتے ہیں تو بغم وہ ہوا جاتا ہے
 اور وہی چکھیں تو چھینکوں کا منہ چھاتا ہے
 بیویں شربت تو ہوا زوگیاں وہ لاتا ہے
 اور جو کم کھائیں تو پھر ضعف سے خست آتا ہے

سہ پہلے اور چوتھے مصرعوں میں ایک ہی قافیہ مکرر آیا ہے۔

پیٹ بھر کھائیں تو پھر چاہئے چورن کو کھکا

واہ چلنے میں یہ کچھ صنعت سے ہوتے ہیں چل
ہر قدم آتے ہیں پابوس کو سو بچ و ملال
اور تک تندر ہوا چلنے لگی تو فی الحال
چلنی پڑتی ہے پھر اس وقت تو اسطوری چال
جیسے کیفی کوئی چلتا ہے بہت پی کے نشا

اوپنی نیچی جوز میں آگئی رستے میں کہیں
اسکی یہ شکل ہے کیا کہئے نقاب کے تھیں
ایک بیک دونوں سے گزرے تو طاقت ہی نہیں
اتر میں نیچے کو تو گر پڑنے کے ہوتے ہیں قریں
اور جو اونچے یہ رکھیں پالوں دم آتا ہے چڑھا

آفے گر جاڑے کا موسم تو خرابی یہ ہو
پہنے نو سیر روئی کی جو بنا کر دو تو
تو بھی ہرگز گل گرمی کی نہیں آتی بو
ہو بدن سرد و خشک اس میں کہ ایسا جسکو
دیکھے گر برف کا تھیلا تو رہے سر کو جھکا

اور عیاں ہووے جو ٹکٹ کے ہو گرمی کی
اس میں کچھ اور ہی ہوتی ہے نقاب کے سستی
موسم ہوتے ہیں جہاں قن کو ذرا دھوپ ملی
اور سینوں میں یہ صورت ہے بدن کی ہوتی
جیسے غواص سمندر میں لگاوے غوغا

صنعت کے دام میں ہے اتو کچھ سطورا سیر
جسم میں طاقت تھری نہ تاب تقریر
طبع افسردہ دل آلودہ بدن سخت حیر
جو جو کمزوریاں کرتی ہیں وہ کیا کہئے ظہیر
ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاگا

روپے کا روپ

نقشا ہے عیاں سوطر بے قص کی رے کا
ہے ربط ہم طلبہ و سازنگی وئے کا

جھنکار مجیروں کی ہے اور شور ہے نئے کا مینا کی جھلک جام ادھر چھلکے ہونے کا

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا

دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ہر آن جہاں روپ روپے کے ہیں جھلکتے کیا کیا زور و زور کے ہیں وال رنگ دکتے

موتی بھی جھلکتے ہیں جو اہر بھی جھلکتے سب ٹھاٹھ اسی جلی سے دیکھیں چلتے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا

دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

بن ٹھن کے ہر اک نرم میں آتے ہیں اسی سے میلوں میں تماشوں میں بھی جاتے ہیں اسی سے

شیرینیاں میوے بھی منگاتے ہیں اسی سے کھاتے ہیں اور اوروں کو کھلاتے ہیں اسی سے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا

دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پوشاک جھماک دار بناتے ہیں اسی سے حشمت کے چمن زار بناتے ہیں اسی سے

محلات نمودار بناتے ہیں اسی سے باغات چمن زار بناتے ہیں اسی سے

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا

دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے ہے حسن فسون کا رُمہیا اس روپ سے فرحت کے ہیں آثار مہیا

گجرے سے لگا طرہ زر تار مہیا کیا موتیا ہے موتیوں کے ہار مہیا

جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا

دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے گرمی کے بھی سامان ہیں
 ان کو بھی جدھر دیکھے کھنڈک کنٹان تیا
 خس خالے ہیں چہرے کے ہوئے اور عطر نشان میں
 اور شب کے بھی سوئے کو ہوا اور کال میں
 جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
 دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اس روپ سے بارش کی بھی چیزیں ہیں میر
 باہر بھی وہ دیکھے ہیں بہاروں کو نظر بھر
 رتھ چھتریاں بارانیاں اور موسم کی چادر
 گھر میں بھی خوشی بیٹھے ہیں سامان بنا کر
 جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
 دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پیر روپ جہاں ہے کوئی دل ان نہیں سیلا
 دیکھو جدھر اسباب ہے خوش وقتی کا پھلا
 اگلے ہیں کچھ فرشتہ نہیں کوئی کھسیلا
 بھرتا ہے اسی تھیلی سے ہر عیش کا تھیلا
 جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
 دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ظاہر میں تو اسے دوست و راحت ہے اسی سے
 ہر بات کی خوبی و فراغت ہے اسی سے
 ہر آن دل و جاں کو مسرت ہے اسی سے
 عالم میں نظیر عشرت و فرحت ہے اسی سے
 جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
 دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پایہ

نقش یاں جگے میاں ہاتھ لگا پیسے کا
 اس نے تیار ہر اک ٹھاٹھ کیا پیسے کا
 عشرت کا عین گر گیا ہے۔

گھر بھی پاکیزہ عمارت سے بنا پیسے کا
کھانا آرام سے کھانے کو ملا پیسے کا
کپڑا تن کو بھی ملا زیب فترا پیسے کا
جب ہوا پیسے کا اے دوستو اگر سنجوگ
کھائے جب مال پوٹے دودھ وہی ہو نہ کھو
عشتر میں پاس ہوئیں دور ہوئے منکے روگ
دگو آنند ہوئی بھاگ گئے روگ دور روگ

ایسی خوبی ہے جہاں آنا ہوا پیسے کا
ساتھ آئے دستے اکدن جو میں گلشن میں گیا
پوچھا اس سے کہ یہ ہے باغ بتاؤ کس کا
عمر باں مجھ سے یہ تم پوچھو ہو کیا پیسے کا
واں کے سر و سمن و لالہ و گل کو دیکھا
اس نے تب گل کی طرح ہنس دیا اور مجھے کہا

یہ تو گیا اور مجھ سے ایسے ہیں جو باغ و بہن
حرم فوار سے ہیں نیکوئیں بھی ہو دے حلیم
میں کھلے کیا ریوں میں گرس نسیم و سمن
جا بجا تھری و بلبل کی صد اشورا فکین

واں بھی دیکھا تو فقط گل ہے کھلا پیسے کا
واں کوئی آیا ہے ایک صرغ پنجہڑا
اس میں اک بیٹھی وہ مینا کہ مو بلبل بھی فدا
نکلی منقار سے مینا کے صد پیسے کا
لال دستار و دو پٹا بھی ہر خوں طوطا
میں یہ پوچھا کہ تمہارا پیسے ربا وہ چپکا

واں سے نکلا تو مکان اک نظر آیا ایسا
سیکھ چوئے کی جگہ آئے تھو نہیں لگا
عقل نے تب مجھے چپکے سے کہا پیسے کا
درو و پوار سے چپکے چھا پڑا آب طلا
واو وا کہنے کہا میں نے یہ ہو گا کس کا

واہم میں واہم کے یار و جو عا دل ہو میر
جی میں خوش رہتا ہے اور دل بھی بہت خوش
اس لئے ہوئی ہے یہ میری زبان سے تفریر
جس قدر ہو سکائیں نے کیا تحریر لظیر

تاج گنج کار و صند

یاروں یہ تاج گنج یہاں آشکار ہے مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اے اعتبار ہے روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

دوے زمیں میں یوں تو مکان خوب ہیں میرا پر اس مکان کی خوبیاں کیا کیا کروں بہاں
سنگ سفید سے جو بنا ہے قمر نشان ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکان
جس سے بلور کی بھی چمک مٹ سار ہے

گنبد ہے اسکا زور بلندی سے ہر مند گرواس کے گزیاں بھی حکمتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کس جو ہے سر گنبد سے سر بلند ایسا ہلال اس میں سنہرا ہے دلپسند

ہر ماہ جس کے خم پر مہ نو نشان ہے وہ بھی بزرگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
گنبد کے نیچے اور مکان ہیں جو اس پاس آتی ہے ہر طرف سے گل یا سمن کی باس
برسوں جو اس میں رہتے تو ہوئے نجی ادا ہیں ہوتا ہے شاد اس میں جو کرنا گزار ہے

میں بیچ میں مکان کے وہ دو مرقدیں جو یاں گردان کے جالی اور حجر ہے در فشاں
سنگین گل سمیں بناتے ہیں تہ نشان پتی کلی سہاگ رنگ درنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جو اہن نگار ہے

دیواروں پر ہے سنگ کا نازک عجب نگار آئینہ بھی لگے ہیں محسلی ہوتا بدر
دروازے پر لگا خط طغرا ہے ثرون کار دروازے پر کھڑے ہیں جو عینا اسکے چار

چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دو چار

پہلو میں ایک برج لسی کہتے ہیں اس سے آتے نظر ہیں اس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جسکی صفت کس سے ہو سکے پھر اور بھی مکاں ہیں ادھر اور ادھر کھڑے

دروازہ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دلکشا آتی ہے جسمیں گلشن فردوس کی ہوا

ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھومتا

کیا کیا روش روش یہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن کو کو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن

راہیل و سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن گلنار و لالہ و گل و نسرن و نسترن

فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جویاں ہے

وہ تاجدار شاہ جہاں صاحب سریر بنوا یا ہے انھوں نے لگا یہ سم و زر کشیر

جو دیکھتا ہے اسکے یہ ہوتا ہے دلپذیر تعریف اس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظر

اسکی صفت تو مشہر و زر گار ہے

عید الفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی

اور عاشقوں کو بے کئی امید کی خوشی کچھ دلیروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی

ایسی نہ خبرات نہ بقرید کی خوشی

جیسی ہر ایک دلیس ہے اس عید کی خوشی

روزے کی خشکیوں سے جو ہیں زرد زر گال خوش ہو گئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال
پوشاکیں تن میں زرد سنہرے سفید بال دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال

ایسی نہ شبیرات نہ بقدرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پر سے اٹھ کے نہانے کی دھوم ہے شیر و شکر سویاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانیا کی دھوم ہے لڑکوں کو عید گاہ کے جانی کی دھوم ہے

ایسی نہ شبیرات نہ بقدر عید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزوں کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں گدا سے لگا شاہ تا وزیر دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیر

ایسی نہ شبیرات نہ بقدرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

عید گاہ اکبر آباد

سے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں تانے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے گلے رہے ہیں ہر اک کج گاہ میں سو سو چین جھکتے ہیں اک اک نگاہ میں

کیا کیا مڑے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

جھمکا ہے ہر طرف کو جو آباد لاہری پوشاک میں جھکتے ہیں سب تن ذری ذری
کار و چکے چکرتے ہیں تول ماہ و شری ہے سب کے عید عید کی دل میں خوشی بھری

ہا ہر بند کے ہا پتوں میں عید گاہ کا عین گر گیا ہے۔

کیا کیا فرے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے بنگلہ
صحن صحن چمن چمن جتنی سبب صحن عید گاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں منہ منہ کے خواہا

کیا کیا فرے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

کچھ بھڑسی ہے بھیر کہ بے حد و بیشمار
حلقہ ت کوٹھڑی کی ہیں بندھے ہر طرف ہزار
ہاتھی و گھوڑے بیل و رتھ واوٹ کی قطار
غل شور بالے بھولے کھلونوں کی بے پکار

کیا کیا فرے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

پہنے پھرے ہیں شوخ کپڑے اور مہسلیاں
پھولوں کی گٹھلیوں میں ہیں شاخیں ڈھریاں
کمری بھولنے لگنے کی خاطر ہر گسلیاں
ملنے میں یوں کہ چھاتی کی کر کے ہیں سلپیاں

کیا کیا فرے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں ملنے ملنے جو ساحر پری رغاں
دیتے ہیں ملنے والوں کو گھبراہٹ گالیاں
تپیر بھی لپٹے جاتے ہیں جوں گڑھ بکھیاں
دامن کے گھرے اڑتے ہیں چھٹی میں چولیاں

کیا کیا فرے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں ملنے ملنے تن جو سینوں میں تر بتر
لٹنے کے ڈر سے پھرتے ہیں چھپتے اوپر و سر
چھپتے پھرے ہیں لوگ بھی جاتے ہیں وہ جھڑ
ٹٹا تنسی و سیر تماشا جھڑ تھڑ

کیا کیا فرے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خردا و زبیر
ادنیٰ غریب ابیر سے شاہ تا و زبیر
ہر دم گلے لپٹ کے فرے یار و لپڈیر
ہندس منہ منہ کے خجے سے کتابہ یوں یوں یوں

کیا کیا فرے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے کا دہار بند رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے منہ دھار بند ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بادبار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی ہر گھس میں اس طرح سے پھرائی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

کڑپاں جو سال کی تھیں کہیں وہ تو اگلے سال ناپار قرمن و وام سے چھپر لئے ہیں ڈال
پھانسل و گھٹھڑے اس کے بن جوں کے بکھر جاں اس کی بھرے پھولس سے ہے یہ ان چھپر و نکا حال
گو یا گان کے بھول گئے ہیں چار بند

دنیا میں لب قدیم سے ہے زر کا بندوبست اور بے نرمی میں گھر کا نہ باہر کا بندوبست
آقا کا انتظام نہ نوکر کا بندوبست مفلس جو مفلسی میں کرے گھر کا بندوبست
مکڑی کے تار کا ہے وہ نا استوار بند

کیڑا نہ گھڑی بیچ نہ تھیلی میں زر رہا خطرہ نہ چور کا نہ اچکے کا ڈر رہا
رہنے کو بن کو اڑ کا پھوٹا کھنڈ رہا کھنکھار جا گئے کا نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نہاد
مانگو عزیز و ایسے بُرے وقت سے پہلے وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ

کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند
 صراف بنے جوہری اور سیٹھ سا ہو کار
 دیتے تھے سب کو نقد سو کھاتے ہیں اب دھار
 بازار میں اڑے ہیں پڑی خاک بے شمار
 بیٹھے ہیں یوں دوکانوں پہ اپنی دوکاندار
 جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند
 سودا گروں کو سود نہ ہو پیاری کو فلاح
 ہزار کو ہے نفع تنہا ساری کو فلاح
 دلال کو ہے یافت نہ بازاری کو فلاح
 دکھیا کو فائدہ نہ پسند ساری کو فلاح
 یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند
 مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار
 اور جتنے پیشہ دار ہیں روتے ہیں ترار زار
 کوٹے ہے تن لو بار تو پیٹے ہے سر سناہ
 کچھ ایک دو کے کام کارونا نہیں ہے یار
 چھتیس پیشہ والوں کے ہیں کاروبار بند
 نہر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب بک گئے
 اور ریشمی قوام بھی یک سر چاک گئے
 فداوار اٹھ گئے ہیں تو بنے سرک گئے
 چلنے سے کام تارکشوں کے بھی تھک گئے
 کیا ہاں پتلے کھینچے جو ہو جاوے تار بند
 بیٹھے بساطی راہ میں تنگے ہی چننے ہیں
 چلتے ہیں نان بائی تو کھر بھونچے بھٹتے ہیں
 دھننے بھی ہاتھ ملتے ہیں در سر کو دھنٹے ہیں
 روتے ہیں وہ جو شروع و دارائی ملتے ہیں
 اور وہ تو مر گئے جو بنے تھے ازار بند
 گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھئے
 مطلقاً سے خبر نہیں کاغذ کے بھاؤ سے
 ردی قلم و کاں میں نہ ٹکڑے ہیں ٹاٹ کے
 یاں تک کہ اپنے چٹھی کے لکھنے سے واسطے
 کاغذ کا مانگتا ہے ہر دک سے ادھار بند

لوٹے ہیں گرد و پیش جو قزاق راہ مار
 بیوپاری آتے جاتے نہیں قسے زینہار
 کو تو مال روئیں خاک اڑاتے ہیں چو کیا
 ملاحوں کا بھی کام نہیں چلتا میرے یاد
 ناویں ہیں گھاٹ گھاٹ پسب وار پار بند
 ہر دم کہاں گروں کے اُپر بیج دتا ہے
 صحن اپنے حال میں غم کی کعبہ میں
 مرنے شبیہ ساز مصور کباب ہیں
 نقاش قصبوں سے زیادہ خراب ہیں
 رنگ و قلم کے ہو گئے نقش و نگار بند
 حجام پر بھی یاں تھیں بے فلسی کا زور
 پیا کہاں جو سنان پر ہوا ستر و نکاشور
 کاٹپے ہے سر بھگوتے ہوئے اُسکی پور پور
 کیا بات ایک بال کٹے یا تراستے گور
 یاں تک ہے استرے و سرنی کی دھار بند
 کوئی پکار نامہ پڑا بھیج یا حشر
 اب تو ہمارا کام کھٹکا بھیج یا خدا
 کوئی کہے ہے ہاتھ اٹھا بھیج یا خدا
 لے جان اب ہماری تو یا بھیج یا خدا
 کیوں روزی پول میں کی مرے پر وہ دگاری بند
 غنیمت سے ہاتھ پاؤں کے کوڑی نہ ہاتھ آئے
 بیکار کہ تلک کوئی قرعہ اُدھار کھائے
 دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رور کے ہاتھ
 آتا ہے ایسے حال پر و نا میں تو ہلے
 دشمن کا بھی خدا نہ کرے کار و بار بند
 آمدِ خادموں کے تھیں مقبروں کے بیچ
 باحسن بھی سر شکتے ہیں سب مندر و گنج
 عاجز ہیں پڑھے ولے بھی سب درسیں گنج
 حیرال میں پیر زادے بھی اپنے گھر کے بچ
 نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند
 اس شر کے قہر بھکار بن جو ہیں تباہ
 جس گھر پر جا سوال دہ کرتے ہیں خواہ غوا

بھوکے ہیں کچھ بھجائیو با با خدا کی راہ
واں سے صدایہ آتی ہے پھر مانگو جب تو اہ
کرتے ہیں اپنے ہونٹ کو وہ شرمسار بند

کیا چھوٹے کام والے وہ کیا پیشہ و خبیث
روزی کے آج ہاتھ سے عاجز نہیں سب
ہوئی ہے بیٹھے بیٹھے جب آشام غنیمت
اٹھتے ہیں سب دوکان سے کسرتے پانیب
قسمت ہماری ہو گئی ہے اختیار بند

قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں
البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
جو خالی آتے ہیں وہ قرض لینے جاتے ہیں
یوں بھی نہ پایا کچھ تو فقط غم کو کھاتے ہیں
سوتے ہیں کر کو اڑ کو اک آہ مار بند

کیونکر بھلا نہ مانگئے اس وقت سے بناہ
محتاج ہو جو پھر لگے در بدر سیاہ
یاں تاک امیر نراوے سپاہی ہوئے تباہ
جنکی جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کی پکڑے خکار بند

ہے جن سپاہیوں کے ہندوؤں اور سناں
کر دے گا اس کے نام پر چلے کار و نشان
بنائے بند تار تو پتیل کے میں کہاں
ناچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رہی کے ان میں باندرھے پیادے سوار بند

جو گھوڑا اپنا بیچے زیں کو گرو رکھیں
یا تیغ اور سپر کو لئے چوک میں بکھریں
پکا جو بکشا اوسے تو کیا خاک دیکے لیں
وہ پیش قبض تک کی پری روٹی پیٹ میں
پھر اس کا کون مول لے وہ چھو وار بند

جتنے سپاہی یاں تھے سنائے کدھر گئے
دکھن سے تئیں مکمل گئے یا بیشتر گئے
اتھیا لہریچ ہو کے گدا گھر بگھر گئے
جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں در بند

پھر کون پوچھے اُن کو جواب ہے کٹار بند

پھرتے ہیں نوکری کو جو بن کر رسالدار
گھوڑوں کی بے لگام نہ اونٹوں کی ہے مہار
کپڑا نہ لٹا مال نہ پر تل نہ بوجھ بھار
یوں ہر مکان میں آکے اترتے ہیں سوگوار
جنگل میں جیسے دیتے ہیں لاکر اتار بند

ایسا سپاہ سرد کا دشمن نہ مانہ ہے
روٹی سوار کو بے نہ گھوڑے کو دانہ ہے
تنخواہ لے طلب ہے نہ پینا نہ کھانا ہے
پیادے دیوالی بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
درد خراب پھر لے لگے جب نقار بند

جتنے ہیں آج اگرے میں کارخانہ جات
سب پر پڑی ہے آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئی اور کس کی کہئے بات
روزی کے اب درخت کا ملتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

ہے کو اسادہ دل جسے فرسودگی نہیں
وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں
اب اگرے میں نام کو اسودگی نہیں
کوڑی کی آکے ایسی ہوئی رہ گزار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سہو ایسے پڑے ہیں خوا
کانٹے کا نام اُن میں نہیں پھول درکنا
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختان مہووا
کیاری میں خاک دھول روش پرانی غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی پن تو پڑا ہے اجاڑ سا
غنیہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزہ ہر ابھرا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا
لے حوصل میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ ٹوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ
 ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا نیاہ وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور اجڑے آہ
 جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ غار بند
 کیوں یار واسمکوں میں یہ کیسی چلی ہوا جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
 جو بے سوا میں ہوا میں بے دیوانہ ہو رہا سودا ہوا خراج زمانہ کو یا حسد
 تو ہے حکیم کھول دے اب اس کے چار بند
 ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر کر آگرے کی خلق پہ اب مہر کی نظر
 سب کھا دیں پیوس یا در کھیں اپنے گھر اس ٹوٹے شہر پر بھی الہی تو فضل کر
 کھل جاویں ایک یار تیسرے کا رو باغ بند
 عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے ملا کہو دیر کہو آگرے کا ہے
 مفلس کہو حقیر کہو آگرے کا ہے شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے
 اس واسطے یہ اُس نے لکھے پلنگ چار بند

من موجی

ہیں عاشق اور معشوق جہاں واں شاہی وزیری ہے بابا
 لئے رونا ہے نے دھوٹا ہے نے درد اسیری ہے بابا
 دن رات بہاریں چلیں ہیں اور عشق صغیری ہے بابا
 جو عاشق ہیں جی جاتے ہیں یہ بھید فقیری ہے بابا
 ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت فقیری ہے بابا

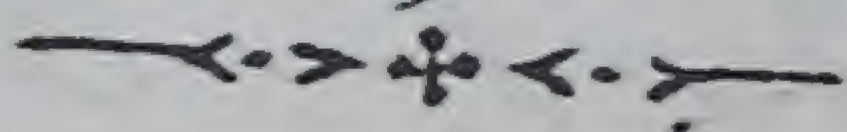
جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا
 ہے چاہ فقط اک دلبر کی پھر اور کسی کی چاہ نہیں
 اک راہ اسی سے رکھتے ہیں پھر اور کسی سے راہ نہیں
 یاں جتنا رنج و درد ہے ہم اک سے بھی آگاہ نہیں
 کچھ مرنے کا سہم یہ نہیں کچھ جینے کی پرواہ نہیں

ہر آن مہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
 جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا
 کچھ ظالم نہیں کچھ زور نہیں کچھ داد نہیں فریاد نہیں
 کچھ قید نہیں کچھ بند نہیں کچھ جبر نہیں آزاد نہیں
 شاگرد نہیں استاد نہیں ویران نہیں آباد نہیں
 ہیں جتنی باتیں دنیا کی سب بھول گئے کچھ یاد نہیں

ہر آن مہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
 جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا
 جس سمت نظر بھر دیکھتے ہیں اس دلبر کی بھلوا رہی ہے
 کہیں سبز سے کی ہریالی ہے کہیں پھولوں کی گلکاری ہے
 دن رات مگن خوش بیٹھے ہیں اور اس اسی کی بھاری ہے
 بس آپ ہی وہ داتا رہی ہے اور آپ ہی وہ بھنڈا رہی ہے

ہر آن مہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
 جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا

نیت عشرت ہے نیت فرحت ہے نیت راحت ہے نیت شادابی ہے
 نیت بہر و کرم ہے دلبر کا نیت خوبی خوب مرادی ہے
 جب اٹھا دریا الفت کا ہر چار طرف آبادی ہے
 ہر رات نئی اک شادی ہے ہر روز مبارک بادی ہے
 ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
 جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا
 ہے تن تو گل کے رنگ بنا اور منہ پر ہر دم لالی ہے
 جز عیش و طرب کچھ اور نہیں جس دن سے سرت سنبھالی ہے
 ہونٹوں میں راگ تماشے کا اور گت پر بختی تالی ہے
 ہر روز بسنت اور بولی ہے اور ہر اک رات دوالی ہے
 ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
 جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا
 ہم چاکر جسکے حسن کے ہیں وہ دلبر سب سے اعلیٰ ہے
 اس نے ہی ہم کو جی بخشا اس نے ہی ہم کو پالا ہے
 دل اپنا بھولا بھالا ہے اور عشق بڑا ستوالا ہے
 کیا کہئے اور نظیر آگے اب کون سمجھنے والا ہے
 ہر آن ہنسی ہر آن خوشی ہر وقت امیری ہے بابا
 جب عاشق مست فقیر ہوئے پھر کیا دلگیری ہے بابا



فقر کی شان

کیا علم انھوں نے سیکھ لئے جو بن لکھے کو پائے ہیں
 اور بات نہیں منہ سے نکلے بن مونٹ ہلائے جانے ہیں
 دل ان کے تارستاروں کے قن انکے طیل طماچے ہیں
 منہ چنگ زبان دل ساہنگی پا گھنگرو ہاتھ کماچے ہیں
 ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے ساپاچے ہیں
 جو بے گت بے سرتال ہوئے بن تال کچا ورج ناپے ہیں
 کل باجے بکڑ ٹوٹ گئے آواز لگی جب لہرائے
 اور جھم جھم گھنگرو بند ہوئے تب گت کا انت لگے پانے
 سنگیت نہیں سنگت ہے نٹوے کبھی جس سے نٹ مانے
 یہ ناج کوئی کیا چھپائے اس ناپ کو ناپے سو جائے
 ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے ساپاچے ہیں
 جو بے گت بے سرتال ہوئے بن تال کچا ورج ناپے ہیں
 سب گھٹنا بڑھنا پھینک ادھر اور دھیان ادھر دھر مرتے ہیں
 بن تاروں تار ملائے ہیں جب نرت نرالا کرتے ہیں
 بن گنے جھماک دکھاتے ہیں بن جوڑے من کو ہرتے ہیں
 بن ہاتھوں بھاؤ بتاتے ہیں بن پانوں کھڑے گت بھرتے ہیں
 ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے ساپاچے ہیں

جو بے گت بے سرتال ہوئے بن تال کچھا وج ناچے ہیں
 تھا جن کی خاطر ناچ کیا جب سورت ان کی آئے گی
 کہیں آپ کہا کہیں ناچ کہا اور تال کہیں لہرائے گی
 جب چھیل چھیلی سندر کی چھب نیول اندر چھائے گی
 ایک مور چھا گت آئے گی اور جوت میں جوت سوائے گی
 ہیں راگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے ساچھ ہیں
 جو بے گت بے سرتال ہوئے بن تال کچھا وج ناچے ہیں
 جب ہوش بدن کا دور ہو جب گت پر آمد رنگ بھی
 تن بھنگ ہوا دل و نگہ ہوا سب آن گئی بے آن بھی
 یہ ناچا کون نظیر اب یاں اور کس نے دیکھا ناچ اتنی
 جب بوند ملی آدریا میں اس تان کا نکلا آہستہ جی
 ہیں بدراگ انھیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انھیں کے ساچھ ہیں
 جو بے گت بے سرتال ہوئے بن تال کچھا وج ناچے ہیں

فقیروں کی صدا

سٹ مارا جل کا آپ سنا تاک اس کو دیکھ ڈرو بابا
 اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آہیں سر د بھرو بابا
 دل ہاتھ اٹھا اس جینے سے لے بس من مار مرو بابا
 جب باپ کی خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
 اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
 اب جینے کو تم رخصت دو اور مرے کو مہمان کرو
 خیرات کرو احسان کرو یا پن کرو یا دان کرو
 یا پوری لڈو بٹواؤ یا خاصہ حلوا نان کرو
 کچھ لطف نہیں اب جینے کا اب چلنے کا سامان کرو

تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
 اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
 اب دل کو اٹھاؤ دینے سے اور آپ گلے کو مرست کاٹو
 اپ چاٹ فنا لگی ٹنگ چکھو اور خون کسی کا مرست چاٹو
 دھن چھوڑ دو حصہ بخرے کی اور بھاجی اپنی تم بانٹو
 ناکند بچیرے کو دیکھو اب اور وو لیتی مرست چھاٹو
 تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا
 یہ اسب بہت کو دا اچھلا اب کوڑا مارو زیر کرو
 جب مال اکٹھا کرتے تھے اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
 گڑھ ٹوٹا لشکر بھاگ چکا اب میان میں تم شمشیر کرو
 تم صاف لڑائی بار چکے اب بھاگنے میں مرست دیر کرو
 تن سوکھا کبڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی سنکر کرو بابا
 سرکانپا جانندی بال ہوئے منہ کھیلایا بلکھیں آن جھکیں
 قد کھڑھا کان ہوئے سرے اور آنکھیں بھی چندھیائیں
 سکھ نیند گئی اور بھوک گھٹی دل سست ہوا آواز میں
 جو ہوئی تھی سو ہو گزری اب چلنے میں کچھ دیر نہیں
 تن سوکھا کبری پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا

اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی سنکر کرو بابا
 یاں پانوں گھٹ کر چلنے سے مر ت رسنے کو حیران کرو
 اور پوچھے منہ سے روئی کو مر ت مل کر ہلکان کرو
 اب آپ ہوئے خم پانی سے مست پانی کا نقصان کرو
 کچھ لا ب نہیں ہے جینے میں اب مرنے سے پہچان کرو
 تن سوکھا کبری پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
 اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی سنکر کرو بابا
 گرا چھی کرنی نیک مل تم دنیا سے لے جاؤ گے
 تو گھرا چھا سا پاؤ گے اور سکھ سے بیٹھے کھاؤ گے
 اور ایسی دولت چھوڑے تم جو خالی ہاتھوں جاؤ گے
 پھر کچھ بھی نہیں بن آؤ گے کی گھبراؤ گے بچتاؤ گے
 تن سوکھا کبری پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
 اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی سنکر کرو بابا

یہ سب سے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
 جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو دن رات یہ لکڑی ٹھنکتی ہے
 تم گھڑی باندھو کپڑے کی اور دیکھو اہل سر و ہنستی ہے
 اب موت کفن سے کپڑے کا یاں تانا بانا بنتی ہے
 تن سوکھا کپڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
 اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی سن کر و بابا
 گھر پار و پے اور پیسے میں مست دل کو تم خرید کرو
 یا گور بناؤ جنگل میں یا جمنہ پر آستند کرو
 موت آن لٹاڑے گی احسب کچھ فکر کرو یا پھند کرو
 بس خوب تماشا دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو
 تن سوکھا کپڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
 اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی سن کر و بابا
 یہ اونٹ کرارے کا پار و صندوق جنازہ باری ہے
 جو ہوا سوار چلے اس پر بھر ہاتھی ہے نہ عماری ہے
 کس نیند پڑے تم سوئے ہو یہ بوجھ تمھارا بھاری ہے
 کچھ دیر نظیر اب آہ نہیں تیار کھڑی اسوادی ہے
 تن سوکھا کپڑی پیٹھ ہوئی گھوڑے پر زین دھرو بابا
 اب موت نقارہ باج چکا چلنے کی سن کر و بابا

دنیا

ہے دنیا جس کا نام میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
 منگول تو یہ منگلی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
 یاں ہر دم جھگڑے اُٹھتے ہیں ہر آن عدالت کستی ہے
 گرمست کرے تو مستی ہے اور اپست کرے تو پستی ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یہ سودا و ست بدستی ہے
 جو اور کسی کا مان رکھے تو اس کو بھی ارمان ملے
 جو پان کھلاوے پان ملے جو روٹی دے ٹونان ملے
 نقصان کرے نقصان ملے احسان کرے احسان ملے
 جو جیسا جس کے ساتھ کرے پھر ویسا اس کو آئے ملے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا و ست بدستی ہے
 جو اور کسی کی جاں بخشے تو اس کی بھی حق جان رکھے
 جو اور کسی کی آن رکھے تو اس کی بھی حق آن رکھے
 جو یاں کا رہنے والا ہے وہ دل میں اپنے ٹھکان رکھے
 یہ حیرت پھرت کا نقشہ ہے اس نقشے کو پہچان رکھے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے

اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو پار اتارے اوروں کو اس کی بھی پار اترتی ہے
 جو غرق کرے پھر اس کو بھی ڈبکوں بکوں کرنی ہے
 شمشیر تبر بندوق سناں اور شتر تیر سرنی ہے
 یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو ادھما و سنا بول کرے تو اس کا بول بھی بالا ہے
 اور دے ٹیکے تو اس کو بھی کوئی اور ٹیکنے والا ہے
 بے جرم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
 اس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے
 جو اور کسی کو ناحق میں کوئی جھوٹی بات لگاتا ہے
 اور کوئی غریب اور بے چارہ حق ناحق میں لٹ جاتا ہے
 وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے اور لاکھی پانکھی کھاتا ہے
 جو جیسا جیسا کرتا ہے پھر ویسا ویسا پاتا ہے
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

ہے کھٹکا اس کے ہاتھ لگا جو اور کسی کو دے کھٹکا
 اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے جو اور کسی کو دے جھٹکا
 چیرے کے بیچ میں حیرا ہے اور پکے بیج جو ہے ٹپکا
 کیا کسے اور نظیر آگئے ہے زور حاشا جھٹکا
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف و عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بستی ہو

مکاند اہل دنیا

کیا کیا فریب کئے دنیا کی فطرتوں کا مکر و دغا و دزدی ہے کام اکثروں کا
 جب دوست مل کے تو میں اسباب شفقوں کا پھر گس زباں سے شکوہ اب کیجے دوستوں کا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھکوں کا
 یاں ٹمک نگاہ چو کی اور مال دوستوں کا

گردن کو ہے اچکا تو چور رات میں ہے نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو میرات بات میں ہے
 اُس کی بغل میں گپتی تیغ اسکے ہات میں ہے وہ اس کی فکر میں ہے یہ اسکی نگاہات میں ہے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھکوں کا
 یاں ٹمک نگاہ چو کی اور مال دوستوں کا

عیار اور چھپو رانت اپنے کار میں ہے اور صبح حیرا بھی اپنی بہار میں ہے
 قزاق جس مکان پر فکر سوار میں ہے پیادہ غریب اس جا پھر کس شمار میں ہے
 ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھکوں کا

یاں ٹمک نگاہ چو کی اور مال دوستوں کا

اس راہ میں جو آیا اسوار سے گھوڑا
ٹمک سے بیا تو آگے فراق نے نہ چھوڑا
سو یا سرا میں بیا کے تو چور نے جھنجھوڑا
تینار ہا نہ بھالا گھوڑا راہ نہ کوڑا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگونگا

یاں ٹمک نگاہ چو کی اور مال دوستوں کا

نادان کو پلا کر اک بھنگ کا پیالا
کپڑے بغل میں مارے اور لے لیا دوشالا
وانا ملا تو اس میں گھولا دھتورا کالا
ہوتے ہی غافل اس کو بچا سی میں تھنج ڈالا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگونگا

یاں ٹمک نگاہ چو کی اور مال دوستوں کا

پیسے روپے اشرفی یا سیم وزر کا پترا
پھر جیت گھر میں لاوے ہے کون ایسا پترا
سیانہ بھی چوک کھائے یمن ہے دھتورا
کترے ہے جیب چڑھ کر ہاتھی جیب کترا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا

یاں ٹمک نگاہ چو کی اور مال دوستوں کا

چڑ یا نے دیکھ مافل کپڑا ادھر گھسیٹا
کوئے نے وقت پا کر چریا کا پر گھسیٹا
چیلوں نے مار پئے کوئے کا سر گھسیٹا
جو جس کے ہاتھ آیا اس نے ہی دھر گھسیٹا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگونگا

یاں ٹمک نگاہ چو کی اور مال دوستوں کا

سینا دیا بتا ہے محو جیو کا گزرا را
اور عید چاہے دانہ کھا کر کرے کنار
قابو چڑھا تو اس دانہ وہ کھاسدھا
اور کچھ بھی چال چوکا تو دوہیں بال مارا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھکوں کا
 یاں ٹک نگاہ چو کی اور مال دوستوں کا
 نکلا ہے شیر گھر سے گریڈر کا گوشت کھانے
 کیا گیا کرے ہیں باہم گردوغا بہانے
 ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھکوں کا
 یاں ٹک نگاہ چو کی اور مال دوستوں کا

مذمت دنیا

اے دل نہ رہ تو عالم ہستی میں بے خبر
 غفلت میں اپنی عمر نہ کھوشام اور سحر
 اوقات زیست لہو و لعب میں نہ گریہ
 دنیا ہے اک نگہ فریبہ جلوہ گر
 الفت میں اسکی کچھ نہیں خر کلفت و ضرر
 دل کے فریب دینے کو کر مہر و التفات
 ناز و داد میں رکھتی ہے کیا کیا تنوعات
 بدے ہے رنگ روپ ہزاروں دن اور رات
 آج اس پتھی کہیں تو لگائی گل اس پہکات
 حسرت فرا و ہوش رہا و شکیب بر
 وہ ناز و حسن رکھتی ہے دل یہ پیراں
 جواک نگہ میں دے ہے گردن میں لاکھ جال
 پہلے نشاط و عیش طرب پھر غم و ملال
 ہوتا ہے آخر اس کے گرفتار کا یہ حال
 جیسے گیس کے شہر میں بھر جادیں بال پر
 جاتی ہے مثل گل چین ناز میں جو کھل
 بیل نش سے اپنے وہیں جھپتی ہے مل
 خیال کی دعوہ گری کر کے متصل
 سحر و فسوں وہ رکھتی ہے ہر فریب دل

حیراں ہو سحر سامری بھی جسکو دیکھ کر

جس دل کو اس بھکاری آئی ادا پسند
اک دم وہ شاد ہو کے رہا پھر الم میں بند
رکھتی ہے اپنے دوش پہ ہر دم نئی کند
لینے کو نقد عمر کے شیریں ہے مثل قند

جب لے چکی تو ہوتی ہے غفل سے تلخ تر

تو اس نگار عہد شکن سے لگانہ دل
عاجل نہیں سمجھ اس سے بکریج جائسل
زہار جا کے بیٹھو اسکے نہ متصل
جو اس سے دل لگاتے ہیں آخر مفصل

ملنے ہیں اپنے دوست تاسف بہ یکسر کر

آگے بھی میں نے تجھ کو جتا یا ہے کتنی بار
یعنی تو اس کا بیجو ہرگز نہ اعتبار
میں کید و مکر و مڈرا سے یاد بے شمار
تو بھی جو اس کے پاس لگا دیکھا دل تو یا

اس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر

آگ دن بھی تو کرے گا جو اس بی وفا کی پیا
برسوں تک کی گئی یہ پر فن تجھے تنہا
ہرگز کسی کے ساتھ یہ کرتی نہیں تنہا
میں تجھ کو اس کے ربط سے کرتا نہ منع

لیکن کروں میں کیا تجھے درپیش ہے سفر

جو گل کہ رنگ و بو سے وفا کے نہ ہو قریب
دل اس سے باندھنے میں اذیت ہو باقیں
اٹکے اگر تو یاں تو مناسب تجھے نہیں
تو اس مثل کو سوچ ذرا اگر سفر گزریں

کرتا ہے قطع راہ کو باندھے ہوئے کم

ہوتی ہے اس کو فکر کہ منزل کو جاکے لے
تو جلد رہروی کے غم ورنہ سے چھٹے
کھڑے ذرا تو پھر قہر میں لیکے اٹھ چلے
گرد میان رہ کوئی بلکاوے بلوغ انے

سحر سامری۔ اب اس کی کو دبانا یا گرا نا جائز نہیں۔

تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اُن نظر
 اس گلبستاں کو گروہ اقامت کا دیوئے خط وودن میں پھر تو وہ روئے منزل کرے غلط
 جاتا ہے کر کے ایک نگہ سرسری خط بس اس نگار خاں کو تو بھی اسی نمط
 سیر مسافر اندہ کر اور اس سے درگندہ
 جاتا ہو عزم کر کے مسافر کے تئیں جہاں اُنکے کہیں تو پہنچے وہ پھر کس طرح منزل
 تو بھی جو اپنا فائدہ چاہے تو مہرباں اس حرف کو تغیر کے یوں نہیں دے مکان
 کرتا ہے جیسے نقش نگین سے جگر میں گھر

مہنس

دنیا کی جو الفت کا ہوا دل کو سہارا ادا اس نے خوشی کو میری خلا لکھنا
 دیکھی جو یہ الفت تو مرا دل یہ بکھرا آیا تھا کسی شہر سے اک مہنس بھارا
 اک پیر چنگل کے ہوا اس کا گزرا
 چند دل الگ ابھے چھپان بنے دھیر مینا دے کلکے لگے بھی سمنبر
 طوطے بھی گئی طور کے لڑکیاں نوامیر رہتے تھے بہت جا نور اس پیر کے لوپر
 اُس نے بھی کسی شاخ پہ گھرا پنا سنوارا
 خواہش یہ ہوئی سب کی کہ ہر اُسے دیکھیں اور اُس کی محبت سے ذائقہ لکھیں
 دن رات اسے خوش رکھیں نہ سکائے دیویں صحبت جو ہوئی مہنس کی اُن جا نور دیکھیں
 یک چند رہا خوب محبت کا گزرا
 سب ہو کے خوش اُسکی مئے الفت لگے پینے اور پیت سے ہر ایک نے واں بھرے سئے

ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے اُس مہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے
اک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ بھڑکا

یاں اطف و کرم تھنے کے ہم یہ ہیں جو جو تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہے بیان تو
تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہووے تو بخشو لو یار وہم اب جاویں گے کل اپنے وطن کو

اب تم کو مبارک رہے یہ پیر تمھارا

اب تک تو بہت ہم رہے فرصت سے ہم آغوش اب یا وطن دل کی ہمارے ہوئی ہمدوش
کو تو یہ سب جانتی کل پرندوں نے کیا نوش اور بات کے سنتے ہی جو ہر اک کے اڑے ہوش

سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا

بن دیکھے تمھارے ہیں کب عین پڑیئے اک آن نہ دیکھیں گے تو دل غم سے بھرینگے
کر تھنے پٹھرائی تو کیا سکھ سے نہیں گے ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمھارے ہی چلیئے

یہ درد تو اب ہم سے نہ جاوے گا مہار

پھر مہنس نے یہ بات کہی ان سے کئی بار کچھ پس نہیں اب چلنے کی ہدایت سے دیا ہوا
انکھیں ہوئیں اشکو سے پرندوں کی گہر بار ہمیں جو شب کو چ کی ہوئی صبح نمودار

پراپنا ہوا پر وہیں پھر مہنس نے مارا

وہ مہنس جب اُس پیر سے وال کو چلانا لگا وہ منہ پھیر کے ایدھر سے وطن کی لی جوں راہ
دیکھا جو اُسے جاتے ہوئے وال سے تو گیار سب ساتھ چلے اُس کے وہ سمرہ ہوا خواہ
ہر ایک نے اڑنے کے لئے پنکھ لپارا

اور مہنس کو ان سب کی رفاقت ہوئی لب جب ہاں سے اڑے کچھ تو ہوئی بے بسی غالب
خلقت تھی جو فرقت کی وہ سب پر بھی لب و دوس اڑے کچھ جو ہوئی ماندگی غالب

بھرم میں کسی کے نہ رہا گوت و یارا
 پران کے ہوئے پر جو ہیں دوری کی پری اوس
 روئے کہ رفاقت کی کریں کیونکہ قدیموس
 تھک تھک کے لگے گئے تو لگے فہوس
 کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اڑا کوس
 کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس میں ہارا
 کچھ بن نہ سکے اُنسے رقی کے جواں کار
 اور اتنے اڑے ساتھ کہ کچھ ہووے نہ ظہار
 جب دیکھی وہ مشکل تو پھر آخر میں ہار
 کوئی یاں رہا کوئی داں رہا کوئی ہو گیا ناچار
 کوئی اور اڑا آگے جو تھا سب میں کرارا
 دنیا کی جو الفت ہے تو اسکی ہے یہ کچھ راہ
 جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیونکہ ہونہ راہ
 نا چاری ہو جس جا میں تو والی کئے کیا چاہ
 سب رہ گئے جو ساتھ کیے ساتھ تھے نظیراہ
 آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

بنجارہ نامہ

طاک حرص ہوا کو چھوڑ میاں مست دیں بدیں پھرے مانہ
 قزاق اہل کالوے ہے دن رات سب کا گرفتار
 کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گولیں پلا سر بھارا
 کیا گیلوں چاول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں اور انگارا
 سب ٹھانڈ پڑا رہ جاوے گا جب لا دے گا بھارا
 گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھپ بھی تیری بھاری ہے
 اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے

کیا ٹکڑے مصری قند گری کیا سنا نبھر مٹھا کھاری ہے
 کیا داکھ منفقے سونٹھ صریح کیا کیسر لونگ سیاری ہے
 سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاو چلیگا بنجارہ
 تو بندھیا لاوے سبیل بھرے جو پورے بچیم جاوے گا
 یا سود بڑھا کر لاوے گا یا لوٹا کھاٹا پاوے گا
 فستراق اجل کا رستے میں جب بھا لا مار گراوے گا
 دھن دولت تانی پوتا کیا اک کنیا کام نہ آوے گا
 سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاو چلیگا بنجارہ
 ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈنڈا ہے
 زر دام ورم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
 جب نایک تن سے نکالگا جو ملکوں ملکوں بانڈا ہے
 پھر بانڈا ہے نہ بھانڈا ہے ناعلوا ہے نا بانڈا ہے
 سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاو چلیگا بنجارہ
 جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری ڈھل جاوے گی
 اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرسے پاوے گی
 یہ کھپ جو تو نے لاوی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی
 دھن پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
 سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاو چلیگا بنجارہ
 یہ کھپ بھرے جو جاتا ہے یہ کھپ میاں مت گن اپنی

اب کوئی گھڑی پل ساعت میں یہ کھپ بدن کی ہے کہنی
 کیا تھا لکٹوری چاندی کے کیا پیتل کی ڈبیا ڈھنی
 کیا برتن سوئے چاندی کے کیا مٹی ہنڈیا چینی کی
 سب ٹھاٹھ پڑا رہا وے گا جب لا دچلے گا بنجارہ
 یہ دھوم دھڑکا ساتھ لئے کیوں پھرتا ہے جنگل جنگل
 اک تنکا ساتھ نہ جاوے گا موقوف ہوا جب ان اہل
 گھر بار اٹھاری چو پاری کیا خاصہ نین سکھ اور مل
 کیا چلوں پر وے فرش سے کیا لال پلنگا اور رنگ محل
 سب ٹھاٹھ پڑا رہا وے گا جب لا دچلے گا بنجارہ
 کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لال و زمر و سیم و زر
 جب پونجی بات میں بکھرے گی ہر آن بنے گی جان اوپر
 نوبت نقالے بان نشان دولت حشمت فوجیں لشکر
 کیا سند تک یہ ملک مکاں کیا چو کی کرسی تخت چھتر
 سب ٹھاٹھ پڑا رہا وے گا جب لا دچلے گا بنجارہ
 کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
 جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دے نہ ہیں ہویاری کے
 کیا سا زجر او زور زور کیا گوئے تھان کنارہ کے
 کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لال عماری کے
 سب ٹھاٹھ پڑا رہا وے گا جب لا دچلے گا بنجارہ

مغرور نہ ہو تلواروں پر مست پھول بھروسے ڈھالوں کے
 سب پٹا توڑ کے بھاگیں گے مُنہ دیکھ اہل کے بھالوں کے
 کیا ڈبے موتی ہیروں کے کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
 کیا بچے تاش مشجر کے کیا تختے سٹال دوشالوں کے
 سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لا دھلیگا بنجارا

ہر آن نفع اور لڑے میں کیوں مرتا پھر تابے بن بن
 ملک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
 کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا چلی چلا نیک چلن
 کیا مندر مسجد تال کنواں کیا کھیتی باری پھول چمن
 سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لا دھلیگا بنجارا

موت

پڑھ علم کئی اس دنیا میں گر کامل ذی ادراک ہوئے
 اور لا دکتاہیں اونٹوں پر ہر معنی کے دراک ہوئے
 معقول پڑھی منقول پڑھی ہر منطق میں چالاک ہوئے
 یاں جتنے علم کے دریا ہیں ان دریا کے پیراک ہوئے
 سب جیتے جلی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قصے پال ہوئے
 رُکال نجومی حسری ہو یا غیبیوں کے احکام کئے

کل تارے چھان لئے سارے اور پینکے تختوں پر قرعے
 منہ دیکھا اہل کی شکلوں کا سب داخل خارج بھول گئے
 نہ رمل و جفر کچھ پیش گئی نہ داخل خارج کام دئے
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قہقہے قہقہے پاک ہوئے
 مشہور حکیم اور ہسیہ ہوئے یاں پڑھ کر علم طیابیت کا
 والان کتابوں سے روکا اور نسخوں سے صندوق بھرا
 جب موت مرصن نے آن کیا سب بھوئے نمض اور قارور
 گوئی لاکھ تجربے تھے پر کام نہ آیا اکس نسخا
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قہقہے قہقہے پاک ہوئے
 بے ہاتھ قلم اور باندھ سپر گر ہو کے سپا ہی مقصدی
 دن رات لڑے گڑھ کاغذ سے شمشیر چلی اور کلک چلی
 جب کلک قہقہے حرف کے لکھے ادریف اہل کی آجملی
 یاں دفتر طیباک ڈوب گئے واں تیغ سپر بھی بھاڑا پری
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قہقہے قہقہے پاک ہوئے
 یا کوٹھی کر کر سیٹھ ہوئے یا کھود زمیں کو کھیتی کی
 لکھ ڈالیں بیاباں لاکھوں کی بوڈالی دھرتی بُری کھلی

جب ہنڈی آئی مالک کی اور آکر جم کی بھیج لگی
 یاں کوٹھی کو کٹھی بیٹھ گئی واں کھیتی باڑی کھیت سی
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضاے پاک ہوئے
 یا سرست شرابی رند ہوئے یا زاهد تاملتہ دور ہوئے
 یا پی پی کرو شاد ہوئے یا ہو حق میں مسرور ہوئے
 جب عمر کے پیالے دونوں کے آساعت پر معمور ہوئے
 شمع و بجے دور ہوئے اور پیالے شیشے چور ہوئے
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضاے پاک ہوئے

اس دنیا کی دھن دولت میں گر شاہ سلیمان جہاں چلے
 یا ٹھہرے میر و وزیر اعظم یا راجہ بن آکر آہ چلے
 منہ دیکھا اجل کے لشکر کا آتھ بے کر کھر کی راہ چلے
 نے ہاتھی گھوڑے سنگ گئے نہ تخت چھتر ہمراہ چلے
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضاے پاک ہوئے
 سب چھوڑ فقیر آزاد ہوئے یا دنیا داری لوٹ گئے
 یا غفلت و دشتالے اوڑھ پھرے یا اجلے پیوند گوٹ گئے
 سنگ اور قصنا کے سونے سے سر و دونوں کے جب پھوٹ گئے

یاں سبلی تا کے ٹوٹ گئے واں جامے تن کے چھوٹ گئے
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قصے پاک ہوئے
 یا حاکم یا محکوم ہوئے یا عامل یا معقول ہوئے
 یا خادم یا مخدوم ہوئے یا جاہل یا مجہول ہوئے
 زردار ہوئے سردار ہوئے مردود ہوئے مقبول ہوئے
 کچھ اور نہ دیکھا آخر کو سب انت اسی میں وصول ہوئے
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قصے پاک ہوئے
 گر بیرنجیلی نہ ہر ہوئے یا بخشش میں قریاک ہوئے
 یا نخل ہوئے پر میووں کے یا عالی پاتوں ڈھاک ہوئے
 یا عمر گزاری عشرت میں یا سوز غم میں غمناک ہوئے
 یا بھول کھلائے گلشن کے یا گلیوں کی خاستاک ہوئے
 سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قصے پاک ہوئے
 حکاک معصوم زر گر تھے یا ہاتھ تبر اور تھے تھے
 یا بکسیری سے دو کا لبسی یا جنگل جنگل پٹنے تھے
 جو علم و ہنر ہم سیکھے تھے اور جتنے اسے پٹنے تھے
 بس اور نظر اب کیا کہے سب ناحق گئے اور لینے تھے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں ریح پوچھو تو کیا خاک ہوئے
 جب موت سے آخر کام پڑا سب قصے فقہے پاک ہوئے
 نوٹ :- اس نظم میں کثرت سے ایسے الفاظ ہیں جو مدت سے متروک ہو گئے ہیں

فنا

تھے وہ جو درویش سے بہتر لب و دندان آخر کو جو دیکھا تو ملے خاک میں کیاں
 جن آنکھوں کو ملنا ہو کھلا خاک کے درمیان دودن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں مرجیاں
 کی ناز و ادائوں کی اشارات تو پھر کیا

دنیا میں اگر ہم کو ملا تختِ سلیمان تابع رہے سب جن و پری آدم و مرغان
 جب تن سے ہوا ہو گئی وہ بودنی سی جاں پھر اڑ گئی اکن میں سب حشمت و سب شان
 لے مشرق سے تا غرب لگا بات تو پھر کیا

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر اور سات دلایت پہ کیا حکم سراسر
 جب آئی اجل پھر نہ رہا تخت نہ افسر اسپ و شتر و فیل و خرو و نوبت و لشکر
 گر قبر تک اپنے چلا ساتھ تو پھر کیا

مے پی کے اگر ہو گئے ہم مست شرابی ہونٹوں سے جبراک کی نہ کبھی مے کی گلابی
 کی لاکھ طرح عیش کی مستی و شرابی جب آئی اجل پھر وہیں ٹھہرے شتابی
 رندوں میں ہوئے اہل خرابات تو پھر کیا

عامل ہوئے ہم لاکھ اگر نقش ازل سے لوگوں کو بچانے کے بھو تو ملے خدایں سے
 جب آئی اجل پھر نہ چلا زور اجل سے دیووں کو جو بقویذ و فلیتہ و مل سے

تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا
 پڑھ علم ریاضی جو نجم ہوئے دھومی
 پشانی مسوڑہ و برجیس کی چومی
 آخر کو اجل سر کے اوپر آن کے گھومی
 اس عمر و روزہ میں اگر ہو کے نجومی
 سب چھان لئے ارض و سموات تو پھر کیا
 گر ہم نے اطبا ہو طبابت کی قسم لی
 چیز اور سوا طب کے سر انجام کی کم لی
 جب تن کے اوپر مرگ نے آڈال دی کم لی
 اک دم میں ہوا ہو گئے سب نظری عملی
 تھے یاد جو اسباب و علامات تو پھر کیا
 گراک پہ ہوا منصب و جاگیر کا افتخار
 اور ایک کو مر مر کے ملا بھیک کا ٹکڑا
 کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا
 اُس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا
 وہ مانگتا دور پھر خیرات تو پھر کیا
 دنیا میں لگا مفلس و درویش سے تاشا
 سب زر کے طلبگار ہیں لے ماری سے تاشا
 مرتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈھے ہر کوئی جاہ
 دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز نظیر آہ
 بالفرص ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا

فنا کاراز

جو مرنا مرناتے ہیں وہ مرنا کیا بتلائے کوئی
 واں جوہر باہیں گھول ملے سب اپنی اپنی چھوڑ دوئی
 سی ڈالی آنکھ دو رنگی کی جب یک رنگی نے مار سوئی
 نے مردوں کا غل مشور رہا نے عورت کی کچھ آہ اوئی

مائی کی مائی آگ آگن جل نیر و پون کی پون ہوئی
 اب کس سے پوچھے کون مولا اور کس سے کہئے کون ہوئی
 نقارہ دھول دھول بجاتا تھا اور کیا کیا تھی آواز بڑی
 جب پھوٹ گیا پھر دیکھو تو آواز سب اسکی کہاں گئی
 نر مادہ دونوں ایک ہوئے جب آن بھرم کی کھال بھٹی
 نے نر کا کچھ نر مول رہا نے مادہ کی پچپان رہی
 مائی کی مائی آگ آگن جل نیر و پون کی پون ہوئی
 اب کس سے پوچھے کون مولا اور کس سے کہئے کون ہوئی
 ہر چار طرف اجیالی تھی اس تیل سکوری پانی کی
 وہ جوت نہ تھی اس دئے کی تھی اور کسی کی اجیالی
 سب گھر کے بیچ اجالا تھا کیا نوک بندی تھی نور بھری
 جب دیو ابجھ کر سر دھوا پھر چھائے گئی کل اندھیاری
 مائی کی مائی آگ آگن جل نیر و پون کی پون ہوئی
 اب کس سے پوچھے کون مولا اور کس سے کہئے کون ہوئی
 تھا جب تک خاصہ دودھ بنا تھی کیا کیا اس میں چیز دھری
 براق مائی ماکھن تھا اور کھویا گاڑھا اور تری
 جب پھٹ کر ٹکڑے دودھ ہوا پھر کہاں گئی وہ چکنائی
 نے دودھ رہا ہے وہی رہا نے روغن سکر چھا چھ مہی
 مائی کی مائی آگ آگن جل نیر و پون کی پون ہوئی

اب کس سے پوچھے کون ہوا اور کس سے کہئے کون ہوئی
 یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو لکڑی میں تھی آگ لگی
 جب بجھ کر ٹھنڈی رہا کہ ہوئی پھر آگ آج کہاں پہنچی
 یاں ایک طرف کو دو لھا تھا اور ایک طرف کو دو ٹھن گئی
 جب دونوں مل کر ایک ہوئے پھر بات رہی کیا پروے کی
 مانی کی مانی آگ آگن جل نیر پون کی پون ہوئی
 اب کس سے پوچھے کون ہوا اور کس سے کہئے کون ہوئی
 یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو مسٹکی ڈالی پانی میں
 اور رستے میں جب پھوٹ گئی ہاتھوں کی اینچا تانی میں
 نے راجہ کا سر یہ رہا ہے بھید رہا کچھ رانی میں
 جا گھرے مل گئے گھرے میں اور پانی مل گیا پانی میں
 مانی کی مانی آگ آگن جل نیر پون کی پون ہوئی
 اب کس سے پوچھے کون ہوا اور کس سے کہئے کون ہوئی
 یہ بات نہ سمجھے اور سنو جو گیسٹرا پانی بھینکا تھا
 جب سوکھا دھوپ کے اندر وہ پھر پانی ہسکا کہاں گیا
 سب مردہ مردہ بول اٹھے وال اور سی سے رنگہ بول
 نے بھر م رہا نہ مادہ کا نے دھوکا ہاتھی چوہے کی
 مانی کی مانی آگ آگن جل نیر پون کی پون ہوئی
 اب کس سے پوچھے کون ہوا اور کس سے کہئے کون ہوئی

یاں جن کو جینا مرنا ہے اسے یار انھیں کو ڈرنا ہے
 جب دو دنوں دکھ سکھ دور ہوئے پھر جینا ہے نہ مرنا ہے
 اس بھول بھلیاں چکر میں ٹاک رستہ پیدا کرنا ہے
 سب چھوڑ بھرم کی باتوں کو اس بات اُپر دل دھڑنا ہے
 مائی کی مائی آگ آگن جل نیر پون کی پون ہوئی
 اب کس سے پوچھے کون مولا اور کس سے کہئے کون ہوئی
 حق ناحق اسے کون لڑے جو مرنا سمجھے جینے کو
 چلنے کا رہنا نام رکھیں اور جینا کھانے پینے کو
 جو مر گئے آگے مرنے سے وہ جانیں بھید قرینے کو
 ہو خاصی دو وطن جا لپیٹی اس لال بنے رنگ بھینے کو
 مائی کی مائی آگ آگن جل نیر پون کی پون ہوئی
 اب کس سے پوچھے کون مولا اور کس سے کہئے کون ہوئی
 کیا صورت لوگ لگا ئی کی کیا نقشہ ناری نہایت کا
 کیا رنگ بنے کار و پ ہوئے کیا سوانگ بنایا گت گت کا
 جو سمجھیں ان کو آساں ہے نہیں فرق ہے رائی پرست کا
 بس اور نظیر اب کیا کہئے ہے زور تماشا قدرت کا
 مائی کی مائی آگ آگن جل نیر پون کی پون ہوئی
 اب کس سے پوچھے کون مولا اور کس سے کہئے کون ہوئی

انجام

کی وصل میں دلبر نے عنایات تو پھر کیا
 یا ظلم سے دی ہجر کی آفات تو پھر کیا
 غصہ رہا یا پیار سے کی بات تو پھر کیا
 گر عیش سے عشرت میں کٹی رات تو پھر کیا
 اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا
 تھے وہ جو در و لعل سے بہتر لب و نداں
 آخر کو جو دیکھا تو ملے خاک میں لکیاں
 جن آنکھوں کو ملنا ہو بھلا خاک کے دریا
 دودن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں مریجا
 کی ناز و اداؤں کی اشارات تو پھر کیا
 دنیا میں اگر ہم کو ملا تحت سلیمان
 تابع رہے سب جن و پری آدم و مرغاں
 جب بتن سے ہوا ہو گئی وہ پودے سی جا
 پھر اڑ گئی اک آن میں و حشمت و ساماں
 لے شرق سے تا غرب رکھات تو پھر کیا
 دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر
 اور سات و لاییت پکچا حکم سرا سر
 جب آئی اہل پھر نہ رہا تحت نہ افسر
 اسپ و شتر و فیل و خرو و توت و لشکر
 گر قبر تلک اپنی چلا ساتھ تو پھر کیا
 کامل ہوا اگر روشنی کی دلی اندھیری
 اور پاک تصرف سے کرشمات کی پھیری
 جب آئی اہل پھر نہ چلی میری نہ تیری
 آخر کو جو دیکھا تو ہوئی خاک کی ڈھیری
 دودن کی ہوئی کشف کرامات تو پھر کیا
 طائر کی طرح سے اڑے ہم گر چہ ہوا پر
 یا ارض کو طے کر گئے غوطہ سالگا کر
 دریا پہ چلے ایسے کہ پا بھی نہ ہوئے تر
 جب آئی اہل آہ تو اک دم میں گئے مر

گریہ بھی ہوئی ہم میں کرامات تو پھر کیا
 حجرے میں اگر بیٹھ کر ہم ہو گئے درویش اور چلے کشتی کر کے ہمیشہ رہے دارالش
 عابد ہوئے نایاب ہوئے متواضع حق اندیش جب آئی اجل ایک یا صفت نہ کسی پیش
 مہر کے جو کی کوشش طامات تو پھر کیا

عامل ہوئے ہم لکھ کے اگر نقش ازل سے لوگوں کو سیانے لگے بھوتوں کو خل سے
 جب آئی اجل پھر نہ چلا زور اجل سے دو دن کو جو تقوید غلبیت و عمل سے

تسخیر کیا عالم جنات تو پھر کیا
 پڑھ علم ریاضی جو منجم ہوئے دھوئی پیشانی سے وزہرہ و بریس کی جومی
 آخر کو اہل سر کے اوپر ان کے گھومی اس عمر دور وزہ میں اگر ہوئے گھومی
 سب چھان لئے ارض و سوات تو پھر کیا

گریہ ہم نے اظہار ہو طہارت کی رقم لی
 جب اس کے اوپر مرگ لئے اڈال دی اٹلی اک دم میں ہوا ہو گئی سب نظری اور ملی

تھے یاد جو اسباب علامات تو پھر کیا
 کہ ایک پیر ہوا منصب و جاگیر کا نقشا اور ایک کو مہر کے ملا بھیک کا کھڑا
 کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا اس لئے کوئی دن بیچ کے آرام سے کھایا
 وہ نالختا در در پھر خیرات تو پھر کیا

دنیا میں لگا مجلس و درویش سوتا شاہ سب زر کے ملک بنگا میں سے ماہی پرتا ماہ
 مرنے کوئی مال پر دھوڑے ہو کوئی جاہ دولت ہی کا ملنا ہے ہی جیسے نظیر آہ
 بالآخر حق ہوئی اس سے ملاقات تو پھر کیا

آخر خاک

دنیا میں کوئی شاد و کوئی دردناک ہے یا خوش ہے یا الم کے سبب بینہ چاک ہے
ہر ایک دم سے بیان کا ہر دم تپا ک ہے نا پاک تن پلید بخش یا کہ پاک ہے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

ہے آدمی کی ذات کا اس جا بڑا ظہور لے عرش تا بہ فرش حکمتا ہے جنکا نور
گزرے یہ ہے انکی قبر پہ جب جوش و طیور دور وہی کہے ہیں ہر اک قبر کے حضور
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

دنیا سے جبکہ انبیا اور اولیا اٹھے اجسام پاک ان کے اسی خاک میں ہے
روحیں ہیں خوب مرتبہ ہو کر ہیں بڑے پر جسم سے تو اب یہی ثابت ہوا ہے
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

وہ شخص تھے جو سات ولایت کے بادشاہ حشمت میں جنگی عرش سے اونچی تھی بارگاہ
مرتے ہی انکے تن ہو گئے گلیوں کی خاک راہ اب ان کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

کس کس طرح کے ہو گئے محبوب کجگاہ تن جن کے مثل پھول تھے اور مٹھ بھی رنڈا
جاتی ہے انکی قبر پر جسم مری نگاہ روتا ہوں جب تو میں بھی یہی کہنے دیر آہ
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

عمدوں کے تن کو تانے کے صندوق میں مٹھا مفلس کا تن پڑا با مائی او پر پڑا
قائم یہاں یہ اور نہ ثابت وہ واں ہا دونوں کو خاک کھا گئی پار و کونٹیں کیا

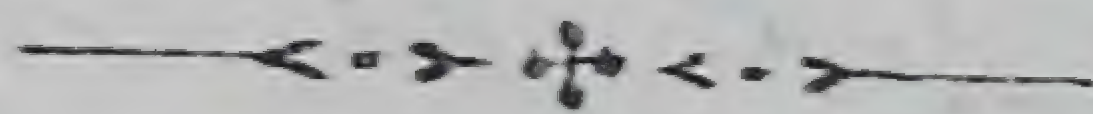
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

گرا ایک کو ہزار روپے کا ملا کفن اور ایک یوں پڑا باہکیں برہنہ تن
کیڑے ٹکڑے کھائے دو نوئے تن بدن دیکھی جو ہم نے آہ تو سچ ہے یہی سخن

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

جتنا یہ خاک کا ہے طلسمات بن رہا پھر خاک اس کو ہونا ہے یار و جدا جدا
ترکاری ساگ پات زہر امرت اور دوا زرخیم کو ٹری لال زمر و اور ان سوا
جو خاک سے بنا ہے اور آخر کو خاک ہے

گر طحہ کوٹ توپ رہ کلمہ تیغ و کمان و تیر باغ و چین محل و مکانات دل پذیر
ہونا ہے سب کو آہ اسی راہ میں خمیر میری زباں پہ اب تو یہی بات ہے نظیر
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

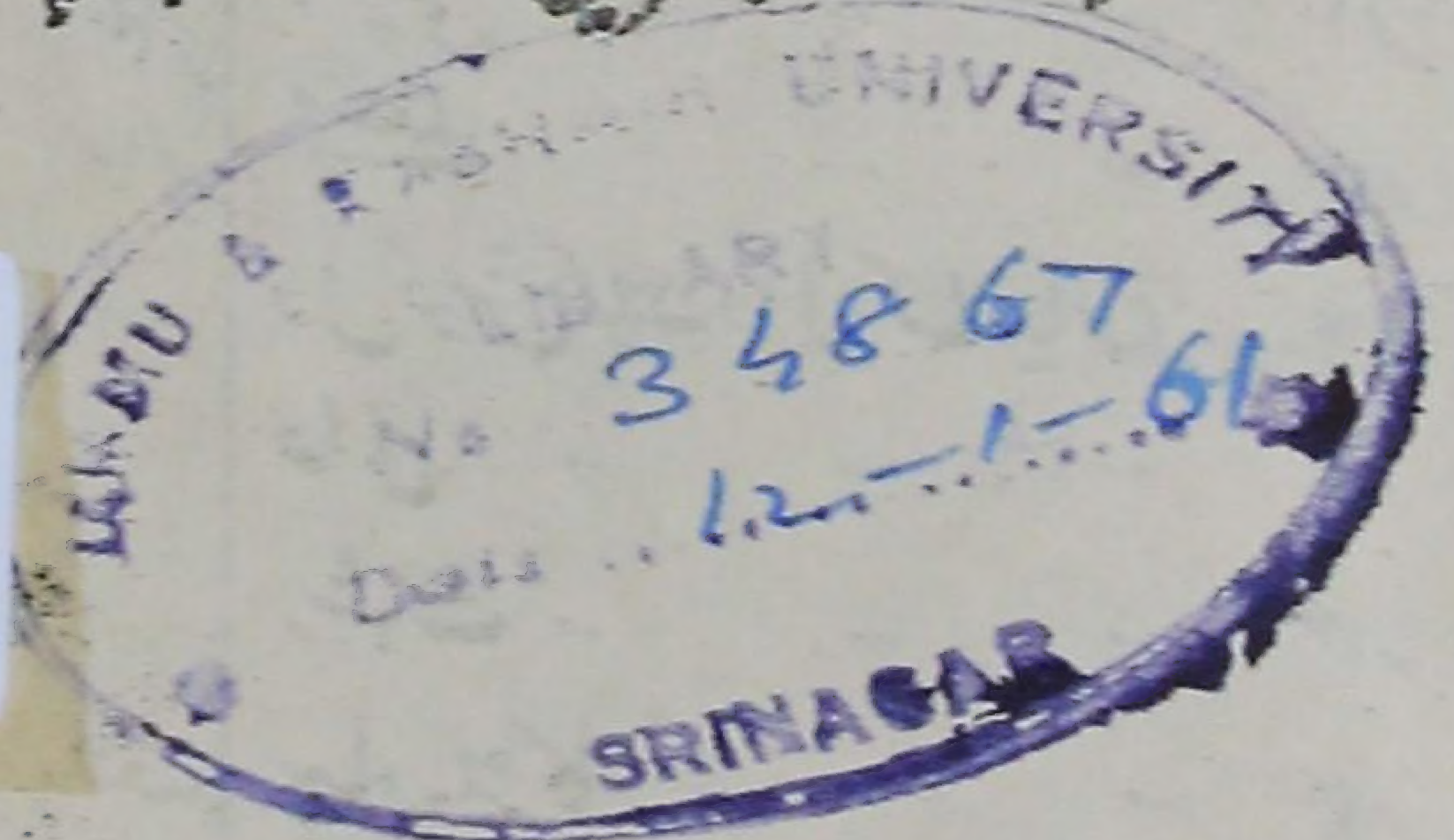
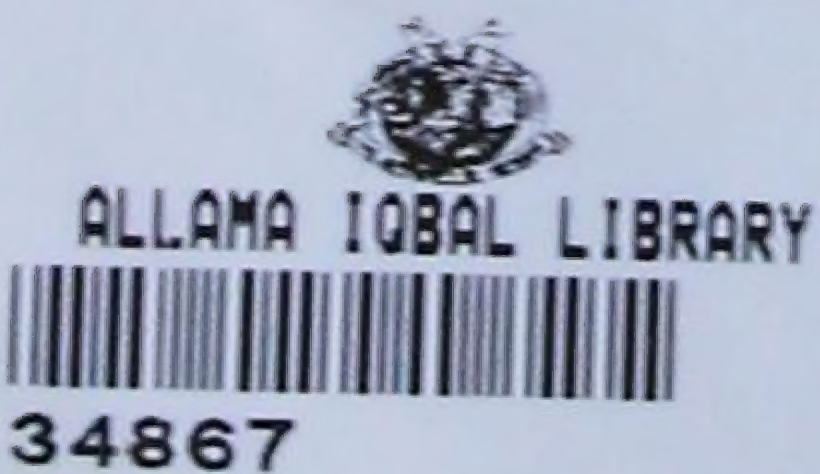


انوار احمدی پریس الہ آباد کی چھپی ہوئی اردو کی بہترین کتابیں

تاریخ تنویرات اردو مع انتخاب	۷	دنیا کی باتیں حصہ اول	۷
تاریخ قصائد اردو مع انتخاب	۷	ایجادوں کی کہانیاں	۷
تاریخ ریختی مع دیوان جانا صاحب	۷	عورت	۷
اکبر الہ آبادی	۷	اخلاقی حکایتیں نمبر ۱۰ سے ۱۰ تک	۷
منتخب داغ	۷	فی نمبر ۴ پورا سٹ	۷
نظم لطیف	۷	الف لیلہ کی کہانیاں نمبر ۱۰ سے ۱۰ تک	۷
تحفہ احسن	۷	فی نمبر ۱۲ پورا سٹ	۷
خزینۃ الامثال	۷	بتیسی	۷
جدید فلسفہ تعلیم	۷	مشغلے	۷
یاد رفتگاں - از فشی شیا مومن لال	۷	دل خوش کرنے والی کہانیاں	۷
جگر بیلوی - اس میں گزشتہ ۲۴	۷	حالی	۷
سند و مشاہیر اردو شعرا و نثار کا	۷	رشوت	۷
کرہ اور انتخاب ہے	۷	بہادر لڑکا	۷

۱۶	دوسری کہانیاں ..	۳۴	استقلال ..
۱۶	مگر مچھ بادشاہ اور دوسری	۳۴	علم و تجارت ..
۱۶	کہانیاں ..	۵۵	پریوں کی ہنڈیا ..
۱۶	دکھ سکھ۔ اعظم کریوی ..	۵۵	پریوں کی کہانیاں ..
۱۶	ہندوستانی افسانے ..	۵۵	ہونا درزی ..
۱۶	آئینے۔ ریاض الحق۔ علیگ ..	۵۵	ہمارے ہتھیار ..
۱۶	خندہ دل۔ کوثر چاند پوری ..	۱۰	جان ہر اور ..
۱۶	گل ولالہ ..	۱۰	لیل و نہار ..
۱۶	داستانیں ..	۱۶	بادلوں کی ملکہ ..
۱۶	اندھیرے۔ قدوس عہسبائی ..	۱۶	جادو کا خزانہ ..
۱۶	منتخبہ افسانے ..	۱۶	جادو نگر کے راجہ رانی اور

اور بہت سے بہترین افسانے چھپ رہے ہیں۔





**ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.**